سماج کی تعلیم و تربیت

——— مغربی تجربات
اور
——— اسلامی تصوّر

از

مولانا محمد رابع حسنی ندوی
صدر شعبہ عربی
دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر
مکتبہ اسلام، ۳۷ گوئن روڈ، لکھنؤ

www.abulhasanalinadwi.org

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

بار دوم

محرم ۱۴۲۵ھ

نام کتاب ـــــــــــــــ سماج کی تعلیم و تربیت
مصنف ـــــــــــــــ مولانا محمد رابع حسنی ندوی
کاتب ـــــــــــــــ حسن اختر
مطبع ـــــــــــــــ کاکوری آفسیٹ پریس لکھنؤ

ناشر

مکتبہ اسلام ۲/۵۴ ۷ احمد علی لین، گوئن روڈ، لکھنؤ (یو پی)

www.abulhasanalinadwi.org

فہرست مضامین

پیش لفظ ——— ۱۲

انسانی سماج اور ضرورت تعلیم ۱۷

انسانی سماج ۱۷

عمل تعلیم ۱۸

بے ضابطہ طریقہ سے تعلیم ۱۸

تعلیم بے ضابطہ سے باضابطہ کیسے بنی؟ ۱۹

باضابطہ تعلیم کا آغاز ۱۹

قرآن وحدیث سے تعلیم کی ہمت افزائی ۲۰

علم کے اسلامی معنی ۲۱

ہر معاشرہ میں تعلیم کی فکر ہوتی ہے ۲۲

مسلمانوں میں عمل تعلیم ۲۳

یورپ اور مغربی تمدن سے استفادہ ۲۳

تعلیم اور اجتماعی زندگی کا ایک دوسرے پر اثر ۲۴

ایک مثال ۲۵

اصول اور مزاج سمجھنے کی ضرورت ۲۶

انسان کا اجتماعی مزاج ۲۷

معاشرہ کی افادیت ۲۷

انسانی مزاج کی پختگی اور تغیر پذیری ۲۸

اجتماعی مزاج عقلی سے زیادہ جذباتی ۳۰

معاشرہ کی اپنے معتقدات کے ساتھ وابستگی ۳۰

انفرادی منفعتوں کی کمزوری ۳۱

تخیل کا اثر ۳۱

جذباتیت ۳۱

www.abulhasanalinadwi.org

تلون مزاجی ۳۲
اخلاقی معیار کی کمی ۳۲
سماج کے معتقدات اور ان کے عوامل ۳۳
عوامل بعیدہ ۳۳
مذہب ۳۳
قومیت ۳۴
قومی روایات ۳۴
نظام حکومت ومعاشرت ۳۴
زمانہ ۳۵
نظام تعلیم وتربیت ۳۵
عوامل قریبہ ۳۵
الفاظ کی طاقت ۳۵
اوہام وتصورات ۳۶
تجربات ۳۷
عقل انسانی ۳۸
مذہب اور قومیت کے اثرات ۳۹
معتقدات جماعت پر مذہب وقومیت کے اثرات ۳۹
مذہب ۳۹
ان دیکھی طاقت کی عظمت کا احساس ۴۰
مذہب ایک عظیم طاقت ۴۰
مذہب وسائنس کی کش مکش ۴۱
مذہب میں بے غرضی وایثار ۴۲
قومیت میں خود غرضی و تفرقہ وانانیت ۴۲
اجتماعی زندگی کی وحدتیں اور خاندان ۴۴
موجودہ سماج کا تنوع اور قسمیں ۴۴
متمدن سماجی ادارے ۴۴
سماج کا خاندانی اصول ۴۵
اسلام کا کارنامہ ۴۵
مادی بنیاد پر قائم ہونے والی وحدت ۴۶
خود غرضی ۴۶
ذیلی وحدتوں میں کمی میں نئے زمانہ کا اثر ۴۷
مدرسہ ۴۸
خاندانی نظریہ کی کمزوری ۴۸
قومیت کا اثر ۴۸
سماج میں خاندان کی حیثیت ومقام ۵۰
خاندان کا حلقۂ اثر ۵۱
مغربی تمدن کا خاندان ۵۰

www.abulhasanalinadwi.org

خاندانی نظام کا طریقہ	۵۲	خدا سے تعلق	۶۴
اسلام کا نقطۂ نظر	۵۲	والدین سے تعلق	۶۵
مغربی نقطہ نظر	۵۳	دونوں باتوں کے دوررس اثرات	۶۶
مغربی تمدن میں اولاد اور ماں باپ کا تعلق	۵۴	دونوں پر زور دینے کی ضرورت	۶۶
		اچھا بننے کی تشویق	۶۶
اسلام کا صلہ رحمی کا حکم	۵۴	تربیت دینے والوں کی زندگی	۶۷
بچوں میں صلاحیت غور و استفادہ اور والدین کا اثر	۵۶	معلومات عامہ	۶۷
		ملنے جلنے کے آداب اور دیگر امور	۶۸
بچہ کی عمر کے دو مرحلے	۵۶		
بچہ کے اول چھ سال	۵۷	قرآن وحدیث سے وابستگی	۶۸
بچہ کا استفساری ذہن	۵۷	گھر سے تعلق کا تسلسل	۶۹
حضرت ابراہیمؑ کی مثال	۵۸	مدرسہ کی تعلیم وتربیت	۷۰
ماں باپ کا فرض	۵۸	کتابی تعلیم کی ابتدا	۷۰
ٹیلی ویژن کا اثر	۵۹	مذہبی تعلیم	۷۰
چھ سال کے بعد کی عمر اور مدرسہ کی ابتداء	۶۰	دیگر طریقہ	۷۱
		تعلیم میں کان اور آنکھ کا کردار	۷۱
تعلیم کا طریقہ اور موضوعات	۶۰	انسان اور جانور	۷۲
زمانۂ مراہقت	۶۱	مدرسہ کی تعلیم کے اہم پہلو	۷۴
مراہقت کی عمر کی اہمیت	۶۱	مدرسہ کی تعلیم کے اثرات	۷۴
خاندانی تربیت کے اثرات	۶۳	مدرسہ کے نظام کے بنیادی عناصر	۷۴
بچہ کی صلاحیت واستفادہ	۶۳	منتظم ومعلم	۷۵

www.abulhasanalinadwi.org

معلم کی اہمیت	۷۵	ڈالٹن کا منصوبہ	۸۷
طالب علم اور موادِ تعلیم	۷۶	نصاب و مضامین نصاب	۸۸
موادِ تعلیم	۷۷	نصاب کے مطابق نتائج	۸۸
تعلیم ایک مسلسل عمل	۷۷	نصاب قدروں اور امنگوں کے مطابق	۸۸
کتاب کی مرکزیت	۷۷		
مرکزیت کتاب کے فوائد و مضرات	۷۸	قدیم زمانہ میں نصاب کا مسئلہ سادہ تھا	۸۹
نصاب و کتاب ذریعہ ہے	۷۹		
یورپ کا طرز عمل	۷۹	زبان و ادب و مذہبیات	۸۹
فرد کی آزادی	۸۰	سائنسی ترقیات کا نصاب پر اثر	۹۰
تعلیم پر اثر	۸۰	مذہبیات پر اثر	۹۰
تعلیم پر علم النفس کا اثر	۸۱	نصاب تعلیم کے تین اجزاء	۹۰
بچہ کی صلاحیتوں کا لحاظ	۸۱	اخلاقیات سے مذہب کی بے دخلی	۹۱
بچہ بچہ کا فرق	۸۲		
مروجہ نظریاتِ تعلیم	۸۳	سماجی و انسانی علوم و معلومات	۹۲
طفل مرکوز نظامِ تعلیم	۸۳	مدارس عربیہ کا نصاب	۹۳
پستالوزی کا طریقہ	۸۳	تعلیم کا مختلف انسانی پہلوؤں سے تعلق	۹۴
احول سے استفادہ	۸۴		
فروبیل کا طریقہ	۸۴	تعلیم کے اثرات کم عمری میں	۹۴
نرسری کی تعلیم	۸۴	بڑی عمر والوں کی تعلیم	۹۴
مون ٹیسری کا طریقہ	۸۵	ثقافت کا دائرہ کار	۹۵
طفل مرکوز تعلیم کی کمزوریاں	۸۵	قلب و روح کا پہلو	۹۵

www.abulhasanalinadwi.org

عقل کا پہلو ۹۶

جسم کا پہلو ۹۷

مذاہب میں قلب کی اصلاح پر زور ۹۸

اسلام کا نقطۂ نظر ۹۸

موجودہ ملحدانہ تمدن کا نظریہ ۹۹

قلبی پہلو کی کمی اور اس کی تلافی ۹۹

موجودہ نظام ہائے تعلیم کا طرز عمل ۱۰۰

مسجد و مراکز عبادت ۱۰۱

مسجد کا کردار ۱۰۱

نظام مسجد اور دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں کا نظام ۱۰۱

عیسائیت کا تصور ۱۰۲

یہودیت کا تصور ۱۰۳

دیگر مذاہب کا تصور ۱۰۳

اسلام کا تصور ۱۰۳

مسجد کی اہمیت اور کام ۱۰۴

مسجد ہمہ گیر نظام ۱۰۵

عبادت گاہوں کی اہمیت اور خدا کا تصور ۱۰۶

انجمنیں اور جماعتیں ۱۰۷

اجتماعی نظام اور وحدتیں ۱۰۷

انسان کی صفت استفادہ و اخذ ۱۰۷

اجتماعی زندگی ایک ناگزیر ضرورت ۱۰۸

عربوں اور غیر عربوں کا طرز ۱۰۹

دیگر قوموں میں اجتماعی ربط ۱۰۹

کیمونسٹوں کا طریقہ ۱۰۹

حزبی وحدتوں کا طرز عمل ۱۱۰

جماعتی عصبیت ۱۱۰

یورپ کے صنعتی انقلاب کے اثرات ۱۱۱

علمی و ادبی اور مذہبی انجمنوں کا مزاج ۱۱۱

تفریحی کلب ۱۱۲

اجتماعی ربط کا ذوق ۱۱۲

مخاطبت اور اس کے اثرات ۱۱۳

زبان و قلم کے ذریعہ اجتماعی ربط ۱۱۳

علم اور زبان ۱۱۳

اجتماعی ربط و ضبط ۱۱۴

زبانی مخاطبت ۱۱۴

www.abulhasanalinadwi.org

خطابت و تحریر	۱۱۵	پریس	۱۲۶
مخاطبت کے تین پہلو	۱۱۵	قلمی کتابیں	۱۲۶
عبارت کا مضمون و معنی	۱۱۵	پریس کی ایجاد کے بعد	۱۲۷
مخاطبین کی فہم کی رعایت	۱۱۶	طباعت اور اشاعت کیلئے تین ضروری امور	۱۲۸
الفاظ کا معنوی اور صوتی اثر	۱۱۷		
انداز و منظر	۱۱۸	دارالاشاعت	۱۲۸
عربوں کا طریقہ	۱۱۹	کتاب کی اشاعت کے موثر اسباب	۱۲۹
خطابت، اجتماعی وحدت پر اثر ڈالنے کا بڑا ذریعہ	۱۱۹	اشاعت کتب میں مقصدیت	۱۲۹
خطابت ایک اہم فن ہے	۱۲۰	اکیڈمی	۱۳۰
تقریروں کا طول و اختصار	۱۲۰	اکیڈمی کی دشواریاں	۱۳۱
خطابت دعوتی کام کا بڑا ذریعہ	۱۲۱	ادبی لٹریچر	۱۳۲
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خطابت کی مثال	۱۲۱	ادبی رنگ	۱۳۲
		وجدان اور نفسیات کی رعایت	۱۳۲
مخاطبت کی دیگر شکلیں اور ان کے اثرات	۱۲۲	قرآن مجید کے ادبی اثرات	۱۳۳
		قرآن مجید کے اسوہ کا اثر	۱۳۳
تعلیمی مخاطبت	۱۲۳	اچھا ادب اور برا ادب	۱۳۴
نصیحت	۱۲۳	ادب میں لذت	۱۳۴
لٹریچر اور اس کی اشاعت	۱۲۵	ادب کو صرف لذت تک محدود رکھنا	۱۳۵
قلم کا سماجی تربیت میں حصہ	۱۲۵		
کاغذ کی ایجاد سے قبل و بعد	۱۲۶	سفلی احساسات سے لذت	۱۳۵

www.abulhasanalinadwi.org

سفلی ادب کا مزاج	۱۳۵	سرخیوں کا کام	۱۴۷
وجدان کی حقیقت اور طاقت	۱۳۶	مقاصد کا معاملہ	۱۴۷
ادب کے موثر اقدام	۱۳۶	صحافت فاشسٹ، کمیونسٹ اقتدار میں	۱۴۸
صحافت	۱۳۸		
صحافت مسلسل اشاعتی ذریعہ	۱۳۸	صحافت۔ سرمایہ دارانہ نظام میں	۱۴۸
صحافت ایک آئینہ	۱۳۸		
صحافت، رسائل اور اخبار	۱۳۹	صحافت کا فنی نظام	۱۴۹
رسائل کا مزاج	۱۳۹	بلیٹن	۱۴۹
ماہانہ صحافت کا ضابطہ	۱۴۰	بعض دیگر ذرائع ابلاغ	۱۵۱
ماہانہ صحافت کا دائرہ عمل	۱۴۰	پوسٹر، اشتہار	۱۵۱
حلقۂ ناظرین اور مواد	۱۴۱	پوسٹر کے فنی اصول	۱۵۲
ادبی چاشنی	۱۴۱	دیواری اخبار	۱۵۲
اچھے اور برے مقاصد	۱۴۲	پوسٹر ذریعہ اعلام	۱۵۳
رسالوں کا عمومی انداز، تنوع	۱۴۳	تربیتی چارٹ	۱۵۳
متعینہ پالیسی کی پابندی اور مقالہ افتتاحی	۱۴۳	تعلیم گاہوں میں دیواری اخبار	۱۵۴
		صوتی و بصری ذرائع	۱۵۵
روزنامہ صحافت کا اثر و اہمیت	۱۴۵	صوتی ذرائع ابلاغ میں ریڈیو کی اہمیت	۱۵۵
روزنامہ صحافت ایک کامیاب آئینہ	۱۴۵	ریڈیو حکومتوں کا آلۂ کار	۱۵۵
صحافت کا کردار کاروبار میں	۱۴۵	صحافت اور ریڈیو کا فرق	۱۵۶
اخباری صحافت ایک وسیع ذریعۂ اتصال	۱۴۶	ریڈیو کا کام ایک فن	۱۵۶
موضوعات کے لحاظ سے جامعیت	۱۴۶	ریڈیو میں دلپسندی کا اہتمام	۱۵۷

www.abulhasanalinadwi.org

ریکارڈنگ کا فائدہ ۱۵۷
ریڈیو تصویر کے ساتھ ۱۵۸
ریڈیو۔ ایک مربی و ذریعۂ تاثیر ۱۵۸
ثقافتی پروگرام ۱۵۸
ڈراموں کا اثر ۱۵۹
پروپیگنڈہ ۱۵۹
تصویری ذرائع ۱۶۱
سینما اور فلم سازی ۱۶۱
سینما کا اثر، تجزیہ، رجحانات و اثرات ۱۶۲
فلموں سے ممکن فوائد ۱۶۳
ٹیلی ویژن اور اس کا اثر ۱۶۳
ریکارڈنگ ۱۶۴
ویڈیو ۱۶۴
بعض دیگر وسائل تربیت و افادہ ۱۶۶
علم و تمدن کی اشاعت میں کتب خانوں کا حصہ ۱۶۶
ذہنوں کی تشکیل میں کتب خانوں کا حصہ ۱۶۷
کتب خانوں کے معاملہ میں ناجانبداری کا رویہ ۱۶۸
ذاتی کتب خانے ۱۶۸
عمومی کتب خانوں کی اہمیت ۱۶۸
کتب خانہ چلانا ایک مستقل فن ۱۶۹
فہرست سازی ۱۶۹
کتب خانوں کا علمی عملہ ۱۷۰
کتب خانہ بھی ایک مدرسہ ہے۔ ۱۷۰
اجتماعی رہائش گاہیں (ہوسٹل) ۱۷۱
اجتماعی رہائش گاہوں کے اثرات ۱۷۱
موجودہ زمانہ کی رہائشی وحدتیں ۱۷۱
ہاسٹل اور اقامت گاہیں ۱۷۲
مشترک قیامگاہوں اور ہوسٹلوں کے ذریعہ تربیت ۱۷۲

www.abulhasanalinadwi.org

ایک اچھی تجویز	۱۷۳
اقامت گاہ بھی ایک طرح کا مدرسہ ہے	۱۷۳
توجہ اور حکمت کی ضرورت	۱۷۴
سفر کا اجتماعی نظام اور مولانا محمد الیاسؒ کی تحریک	۱۷۴
ڈاکٹر ذاکر حسین کی رائے	۱۷۵
قید خانے	۱۷۶

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ

ادھر چند سال سے دارالعلوم ندوۃ العلماء[1] میں معلمین اور اسلامی ممالک میں بالخصوص عرب ممالک میں تحریر، تقریر، مجالس اور ملاقاتوں کے ذریعہ دینی دعوت اور دین کی تفہیم و ترغیب کا کام کرنے والوں کے لئے یک سالہ نصاب جاری کیا گیا ہے جس میں طریق دعوت مسلم ممالک کی موجودہ صورت حال، مسلم معاشرے اور مسلمانوں کے مختلف طبقوں کی ذہنیت اس کے زیر غور یا قابل فکر مسائل، ذہنی کش مکش، اخلاقی انتشار اور دین کے مستقبل کے لحاظ سے درپیش خطرات پر روشنی ڈالنے والی کتابوں اور موجودہ تحریری سرمایہ سے اس مقصد کی تکمیل میں مدد لی جاتی ہے۔ مطبوعہ لٹریچر اور قابل استفادہ مآخذ کی فراہمی یا ان کے دائرۂ بحث کے محدود ہونے یا کسی خاص ماحول اور عہد سے تعلق رکھنے کی وجہ سے اصول و نظریات اور حالات و واقعات کے درمیان مطابقت پیدا کرنے میں جو خامی یا دشواری محسوس ہوتی ہے اس کو ان اہل فکر فضلاء کی تقریروں اور خطابات سے پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جن کو تفہیم دین اور دعوت اسلامی کے میدان کا عملی تجربہ ہے اور وہ ان مشکلات اور سوالات سے واقف ہیں جن کا ایک داعی

---

[1] دارالعلوم ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم ڈاکٹر مولانا عبداللہ عباس ندوی کی زیر سرکردگی تربیت معلمین کا یہ شعبہ قائم کیا گیا تھا جس میں اجتماعی تعلیم و تربیت کا موضوع مولوی محمد رابع ندوی کے سپرد کیا گیا تھا جو اب بھی شامل نصاب ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔

غالباً یہ اس برصغیر میں اپنی نوعیت کا پہلا تجربہ اور جرأت مندانہ قدم ہے، جو تحریک ندوۃ العلماء کے بنیادی مقاصد و محرکات اور اس کے صاحب بصیرت بانیوں کے خیالات و عزائم کی روشنی میں ان کے خواب کو پورا کرنے کی تمنا میں پہلی مرتبہ اٹھایا گیا، اس تعلیمی و تربیتی مرحلہ میں دارالعلوم میں فضیلت و تخصص سے فراغت حاصل کرنے والے طلباء کی ایک تعداد نے شرکت کی، اس مدت تعلیم میں گمراہ کن نظریات کا تعارف کرایا گیا۔ قومیت، اشتراکیت، صیہونیت، سامراجیت اور مسلمانوں کے گمراہ فرقوں سے بقدر ضرورت واقف کرانے کی کوشش کی گئی۔ تجربہ سے اس طریقہ تعلیم کی نہ صرف افادیت کا احساس ہوا بلکہ اس کی شدید ضرورت کا بھی۔ اور یہ محسوس کیا گیا کہ یہ کام بہت پہلے سے شروع ہونا چاہیئے تھا، اور اس کو اس سے زیادہ وسیع اور منظم پیمانہ پر کرنے کی ضرورت ہے۔

جو لوگ دعوت کے میدان کا اور خصوصیت کے ساتھ اس تعلیم یافتہ طبقہ میں اس فرض کے ادا کرنے کا تجربہ کر چکے ہیں، جو عصر حاضر کے فلسفوں، ملحدانہ اور مادی تحریکات سے متاثر ہے اور اس کے علمی و ثقافتی پس منظر سے بھی واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ دعوت کا کام اتنا سادہ، سہل اور قصیر المیعاد نہیں جتنا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ قرآن مجید کا معجزہ ہے کہ اس نے داعی کے فرائض اور طریقہ کار کے متعلق قیامت تک کے لئے ایسے ہمہ گیر و اصولی طریقہ پر ہدایت دی ہے جس میں زمان و مکان کے کسی تغیر کی بنا پر کسی ترمیم و اضافہ کی ضرورت نہیں۔

اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ط (سورہ النحل ع ۱۶)

آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ بلایئے اور ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے بحث کیجئے۔

www.abulhasanalinadwi.org

(۱) حکمت (۲) موعظہ حسنہ اور (۳) بطریق احسن بحث و امتناع کی کوشش، تین وسیع و عریض عنوانات ہیں جن کے تحت فن تعلیم، علم الاجتماع، علم النفس اور علم المناظرہ کے وہ تمام اصولی و فطری مباحث آجاتے ہیں جو افراط و تفریط، غلو و مبالغہ اور فنی و لفظی موشگافیوں سے پاک ہوں، اور دین کے فہم صحیح، انسانی ذہن و نفسیات سے واقفیت معاشرہ اور ماحول سے آگاہی پر مبنی اور عقل سلیم کے مطابق ہوں۔

ان حقائق کی بنا پر ایک داعی کے لئے انفرادی و اجتماعی زندگی کی نفسیات و خصوصیات سے واقفیت، فن بلاغت اور معانی و بیان، فلسفہ و منطق اور علم المناظرہ کی قدیم کتابوں کے بہت سے ان مضامین و مشکلات سے زیادہ ضروری ہے جن پر قدیم زمانہ میں توجہ مرکوز رہی ہے اور ذہنی و علمی توانائی کا بہت بڑا حصہ صرف کیا گیا ہے اور جو ہمارے اس عہد میں اپنی شئی افادیت کھو چکے ہیں بلکہ بعض اوقات مفید ہونے کے بجائے مضر اور افہام و تفہیم کے راستہ میں حجاب بن جاتے ہیں اس سے کہیں زیادہ ضروری اس وقت اجتماعی زندگی کی نفسیات و خصوصیات کا جاننا اور ان کی واقفیت کی روشنی میں دعوت و تربیت کا کام کرنا ہے۔

اس موضوع پر عربی میں اس نصف صدی کے اندر ایک بڑا کتب خانہ تیار ہو گیا ہے۔ عرب ممالک اور عرب جامعات میں فن تعلیم فرد و معاشرہ کی نفسیات، علم النفس و علم الاجتماع اور دعوت الی اللہ کے موضوع پر اسلامی الفکر لوگوں نے بھی قیمتی کتابیں لکھی ہیں، خود ہمارے ملک میں بھی متعدد فضلاء و صحیح الفکر ماہرین فن کے قلم سے وقیع و مفید کتابیں نکلی ہیں۔ ضرورت تھی کہ اس کتابی ذخیرہ کو سامنے رکھ کر کوئی فاضل استاد جو علم و فکر اور تصنیف و تالیف کے اس رواں دواں قافلے سے بچھڑنے نہیں پایا۔ ان کتابوں کا جائزہ لے کر ان کا ضروری اور مفید حصہ (جو ہمارے فضلائے مدارس اور دینی دعوت کا کام کرنے والے عربی داں نوجوانوں کے حالات و

www.abulhasanalinadwi.org

ضروریات کے مطابق ہو) شگفتہ اور دل چسپ انداز میں طلبار کے سامنے پیش کرے اور خاص طور پر تین اہم شعبوں پر اپنی توجہ مرکوز کرے جو علمی قدر و قیمت کے حامل ہیں اور جن کے بغیر دین کا کوئی داعی تعلیم یافتہ اور ذہین طبقہ میں اپنا فرض خوش اسلوبی اور کامیابی کے ساتھ ادا نہیں کر سکتا۔

(۱) اجتماعی زندگی کا مزاج و نفسیات

(۲) تعلیم کے نظریات اور طریقہ ہائے کار

(۳) دعوت اور دعایت اور ابلاغ کے طریقے اور ان کے اثرات

مقام مسرت ہے کہ عزیز گرامی مولوی سید محمد رابع حسنی ندوی (عمید کلیۃ اللغۃ العربیۃ والآداب) نے جن کو یہ خدمت سپرد کی گئی، بڑی خوبی و قابلیت کے ساتھ یہ فرض انجام دیا۔ انھوں نے اٹھائیس اسباق میں (جو اس کتاب کے ذریعہ قارئین کے پیش نظر ہیں) اس کام کو اختتام سال تک انجام پہونچا دیا۔ انھوں نے ان اسباق کی تیاری میں اس موضوع کے جدید ترین عربی و اردو ماخذ سے پورا فائدہ اٹھایا، اور ضرورت کے مطابق انتخاب، تلخیص و اطناب سے کام لیا، اس کے نتیجہ میں ایک ایسی کتاب تیار ہو گئی جو نہ صرف وقتی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے بلکہ مستقل افادہ اور تعلیم کے لئے موزوں ہے۔ انھوں نے اس میں اپنے ذوق و محنت کے علاوہ اپنے وسیع ادبی مطالعہ، عالم اسلام و مغربی دنیا کے طویل سفروں علمی مجالس مذاکرہ میں شرکت اور تعلیم یافتہ طبقہ سے براہ راست واقفیت سے بھی مدد لی۔ چنانچہ اس میں قارئین کو لگی بندھی فنی بحثیں ہی نہیں ملیں گی، قرآن مجید کے ادبی اثرات، اسوۂ رسولؐ کی رہنمائی، ادب کے موثر اقدامات، سفلی ادب کے مزاج کی تشریح و تنقید، صحافت دوسرے ذرائع ابلاغ کے نفسیاتی و اخلاقی اثرات، صوتی و بصری ذرائع سے کام لینے کے طریقوں، ذہنی تعلیم و تربیت میں کتب خانوں کے حصے

www.abulhasanalinadwi.org

اجتماعی رہائش گاہوں (ہوسٹلس) کے اچھے بُرے اثرات پر گفتگو ملے گی اور بعض وہ پہلو بھی سامنے آئیں گے جو اس موضوع کے مطبوعہ عربی و اُردو کے مآخذ میں نہیں ملیں گے۔ مثلاً سفر اور حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی تحریک کے اثرات، مغربی تمدن کے خاندانوں کی کیفیت و صورت حال، اخلاقیات سے مذہب کی بے دخلی کے اثرات، مسجد کی اہمیت اور اس کا دائرہ اثر وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح یہ کتاب محض ایک خشک نصابی کتاب نہیں رہی، وہ ان سب لوگوں کے لئے عام مطالعہ و استفادہ کی کتاب بھی بن گئی ہے جن کو دعوت کے کام سے دل چسپی، جدید تعلیم یافتہ نسل کے مستقبل کی فکر اور مسلم معاشرہ کی اصلاح کی اہمیت کا احساس ہے۔

عزیز القدر مولوی سید محمد حمزہ حسنی سلمہٗ نہ صرف طلبا و فضلائے مدارس بلکہ عام قارئین کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس کتاب کو اپنے "مکتبہ اسلام" کی طرف سے شائع کرنے کا اہتمام کیا اور ایک بڑے صاحب ذوق حلقے کو جو مدارس میں محدود نہیں اس سے استفادہ کرنے اور اس کی روشنی میں کام کو آگے بڑھانے کا موقع دیا۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ نفع پہونچائے۔ آمین

ابوالحسن علی ندوی

دارالعلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

۲۳ ذیقعدہ ۱۴۰۴ھ
۲۲ اگست ۱۹۸۴ء

www.abulhasanalinadwi.org

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

انسانی سماج اور ضرورت تعلیم

انسانی سماج

سماج انسانی افراد کے اس مجموعہ کا نام ہے جو آپس میں کسی ربط کی بنیاد پر زندگی کے مختلف پہلوؤں میں ایک لسانی وحدت کے ساتھ عمل پیرا ہوتا ہے۔ سماج کا قیام ایک فطری ضرورت ہے جس سے مفر ممکن نہیں کیونکہ ایک انسان تنہا اور بلا کسی دوسرے کی مدد اور تعاون کے راحت اور خوبی کی زندگی نہیں گزار سکتا۔ اس کو اپنی زندگی کو آسان اور قابلِ عمل بنانے کے لئے آپس میں ایک دوسرے کے تعاون کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً کھانے ہی کو لیجئے۔ یہ روٹی جو ہم کھاتے ہیں، اس کے روٹی بننے کے لئے کتنے ہاتھوں اور کتنے انسانوں کی محنت اور تعاون درکار ہوتا ہے۔ زمین جوتنے والا کسان اور ہل بنانے والا انسان جس سے کسان کھیت جوتتا ہے، پھر غلہ کو آٹا بنانے کے لئے سِل یا چکی بنانے والا انسان، پھر اس کو بازار میں لانے اور فروخت کرنے والا انسان، پھر لکڑی اور آگ مہیا کرنے والا انسان۔ ان سب کے تعاون و تعامل کے بعد کھانے والے انسان کی روٹی تیار ہوتی ہے۔ اسی طرح لباس، مکان

www.abulhasanalinadwi.org

اور دیگر ضروریاتِ زندگی جس کی فہرست انسان کی زندگی کی وسعت اور تنگی کے لحاظ سے طویل یا مختصر ہوتی ہے، اسی طرح کے واسطوں در واسطوں کی محتاج ہوتی ہے۔ اور اس سلسلے میں آپس کے تعاون و یک جہتی سے انسانی معاشرہ یا سماج بنتا ہے، جو زندگی کو مفید طریقوں کے مطابق ڈھالتا ہے۔ اور اپنے اردگرد کی سہولت اور وسائل سے حسبِ ضرورت فائدہ اُٹھاتا ہے۔

عملِ تعلیم

پھر انسان اپنی زندگی کے تعاون و استفادہ نیز مطالعہ و تجربہ سے حاصل کردہ فوائد کو اپنی آنے والی نسلوں کے لئے باقی رکھنا چاہتا ہے، تاکہ محنت و حصول تجربہ کے اس حصہ سے وہ مستغنی ہوسکیں جو انجام پا چکا ہے اور حصول تجربہ اور معلومات کے عمل کو اس کے آگے انجام دے سکیں، اسی کے لئے ــــ انسانوں میں سکھانے اور تعلیم دینے کا عمل اختیار کیا جاتا ہے، جو درحقیقت تربیت و پرداخت کا ایک عمل ہے، جو انسانی افراد کے ساتھ انسانی افراد ایک متعین رجحان و ذوق کے لحاظ سے انجام دیتے ہیں۔

بے ضابطہ طریقہ سے تعلیم

ہم کو تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ معاشرہ کے معاشرہ بننے کے بعد ہی سے سیکھنے سکھانے کا یہ عمل شروع ہوجاتا ہے، چنانچہ سلیقہ مندوں، تجربہ کاروں اور عمل پیرا لوگوں کو ان کے معاشرہ کے کم عمر اور ناواقف لوگ دیکھ دیکھ کر ان کی سلیقہ مندی اور تجربہ کاری اور عملی اندازوں کا کچھ نہ کچھ حصہ کسی نہ کسی حد تک خود بہ خود یا بالارادہ حاصل کرلیا کرتے ہیں، اس اخذ و استفادہ کے لئے صرف عام عقلِ انسانی

www.abulhasanalinadwi.org

کا استعمال کافی ہو جاتا ہے اور یہ انسانی عقل ہمہ وقت انسان کے ساتھ رہتی اور کام کرتی رہتی ہے۔ گھر میں بچے اپنی ماں کو اپنے باپ کو مختلف کام اور انداز اختیار کرتے دیکھتے ہیں، نیز ان کے والدین یا بڑے اپنے چھوٹوں اور ناواقف لوگوں کو بعض ایسے پہلوؤں کی طرف جو مخفی محسوس ہوتے ہیں متوجہ کرتے ہیں اور اس طرح خود بخود سیکھنے سکھانے کا عمل جاری ہو جاتا ہے، اور یہی دراصل بے ضابطہ تعلیم کی ایک شکل ہے۔

تعلیم بے ضابطہ سے باضابطہ کیسے بنی

پھر یہی بے ضابطہ تعلیمی طریقہ باضابطہ تعلیم کی اساس اور بنیاد بنتا ہے اور وہ اس طرح کہ معاشرہ انسانی میں ہنر اور کام جیسے جیسے وسیع ہوتے جاتے ہیں ویسے ویسے ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ نوعمر اور ناواقفوں کو بتانے اور سکھانے کی طرف توجہ کی جائے اور خصوصی رہنمائی کی جائے۔ اسی سے باضابطہ تعلیم کا نظام وجود میں آیا ہے۔

باضابطہ تعلیم کا آغاز

باضابطہ تعلیم کی ابتدا کو اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ تعلیم کی باضابطہ شکل کا آغاز عبادت گاہوں، مسجدوں اور مذہبی حلقوں سے ہوا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا تھا کہ جب لکھنے پڑھنے کے رواج کے ہونے نہ ہونے سے قطع نظر عبادت کے نگرانوں، دینی و اخلاقی کام کے کوشاں اور دعوت و اصلاح کے حاملین اپنے اپنے معاشروں میں دینی اور اصلاحی معلومات و تعلیمات پیش کرتے اور اپنے اپنے معاشروں کو ان امور سے واقف کراتے تھے۔ ان کی مجلسوں کو خواہ مدرسہ کی چٹائی، اسکول کی تپائی یا نصاب و نظام تعلیم کا بندھا ٹکا انتظام نہ ملا ہو، لیکن بندھے ٹکے نظام کے

www.abulhasanalinadwi.org

تحت مذکورہ بالا مقاصد کے سلسلے میں جو نتائج برآمد ہو سکتے تھے اس سے بہتر یا اس کے مساوی ضرور حاصل ہوتے رہے۔ پھر اسی تربیت و وعظ کے کام نے ترتیب و تعلیم کی شکل اختیار کی، تعلیم کے گرد تعلیمی حلقے بننے لگے، اور کتابوں کی مدد سے معلمین باضابطہ طریقہ سے اس کام کو انجام دینے اور اس کی بتدریج بہتر سے بہتر صورتیں اختیار کرتے چلے گئے۔ مسلمانوں کے یہاں اس کی ابتدا "صفہ نبوی" سے ہوئی، پھر دینی تعلیم کے مرکزوں سے اس کی توسیع و ترقی ہوئی۔ مراکش کے فاس شہر میں جامع القرویین، اور تونس میں جامع زیتونہ، اور قاہرہ میں جامع ازہر، جن میں سے ہر ایک کی تاریخ ہزار سال سے زیادہ ہے، سب مسجدیں ہیں جن میں دینی تعلیم شروع کی گئی اور اسی سے یہ عظیم تاریخی یونیورسٹیاں بنیں۔ انگلستان میں آکسفورڈ، کیمبرج، فرانس میں سوربون یونیورسٹی سب گرجوں کے مدرسوں سے شروع ہوئے، اور آج وہ عالمی سطح کی یونیورسٹیاں ہیں۔

قرآن وحدیث سے تعلیم کی ہمت افزائی

مسلمانوں کے لئے تو اخلاق و شرافت انسانی اور روحانیت اور مذہبی معلومات کے مضامین پر قرآن مجید سے زیادہ اہمیت اور اثر پذیری رکھنے والی کوئی کتاب نہیں، اس میں جگہ جگہ علم کی تعریف آئی ہے اور علم و تعلیم کا تذکرہ تعریفی انداز سے کیا گیا ہے فرمایا: انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء ان اللہ عزیز غفور "یعنی اللہ سے اسکے بندوں میں سے اصحاب علم ہی ڈرتے ہیں، بیشک اللہ غالب ہے اور مغفرت کرنے والا ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی وحی کی ابتدا "اقرا" کے لفظ سے کی گئی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شریفہ کی مدد سے مسلمان طالبین علم کو تعلیمی سرمایہ خوب خوب ملا، اور طالب علم کی ہمت افزائی بھی فرمائی گئی۔ آپؐ کی مسجد میں اسلام کا

www.abulhasanalinadwi.org

پہلا مدرسہ یعنی "صفہ" کی درس گاہ بنی، جس سے عالم اسلام کے تمام مدرسے اور جامعات کا سلسلہ ملتا ہے۔

علم کے اسلامی معنی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی ترغیب و اہمیت میں یہ فرمایا کہ ــــ "ان الملائکۃ لتضع اجنحتھا لطالب العلم رضا بما یطلب" ــــ لیکن جس طرح ہر لفظ کو اس کے خاص دائرہ استعمال کے اندر رکھتے ہوئے متعین کیا جاتا ہے مثلاً ایک کسان جب معلومات کا لفظ استعمال کرے گا تو اس کے دائرہ میں زراعت و زمین سے متعلق معلومات آئی جائیں گی۔ اسی طرح مذکورہ بالا حدیث میں علم سے مراد وہ علم سمجھا جائے گا جو قرآن و حدیث کی رہنمائی اور مدد سے حاصل ہوتا ہے۔

لیکن اس سے علم کے حصول اور اس کی طرف توجہ دہی کو اس مخصوص دائرہ کے اندر بند کرنا مقصود نہیں۔ کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے علم کے دوسرے ان دائروں کو جو انسانی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ اس کے لئے ایک حد تک ضروری اور قابل توجہ و اہتمام ہیں، قابل استفادہ قرار دیا ہے۔ مثلاً کھجور کی تابیر کے سلسلے میں آپ نے جب صحابہ کے زراعتی تجربہ کو صحیح پایا تو فرمایا: "ھذہ من امور دنیاکم" چنانچہ امور دنیا ہمارے لئے وہ اصطلاح ہے جس کے تحت تمام علوم دنیاوی آجاتے ہیں اور ہم کو اجازت ہے کہ ان کے سلسلے میں ہم انسانی تجربات سے فائدہ اٹھائیں۔ اور ان تجربات و معلومات کی بنیاد پر ترقی دیں، اور انسان کے دنیاوی فلاح کے لئے ان کو اختیار و استعمال کریں۔

بکثرت مذہبی پیشواؤں، قومی رہنماؤں، مربیوں اور معلموں نے تعلیم و تربیت کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ قرآن و حدیث میں تو اس کی طرف خصوصی توجہ دی گئی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

حدیث شریف میں آیا ہے کہ " بلغوا عنی ولو آیۃ " کہ میری طرف سے بات پہنچادو خواہ وہ صرف ایک ہی آیت ہو۔

ہر معاشرہ میں تعلیم کی فکر ہوتی ہے

انسان نے اپنے سماج و معاشرہ کی بقا اور تحسین و ترقی کے لئے باقاعدہ تعلیم کے ذرائع تقریباً ہر زمانہ میں اختیار کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنی صلاحیت علمی کے مطابق ان ذرائع کو مبہم و بے قاعدہ شکلوں سے متعین اور باقاعدہ شکلوں میں منتقل کیا ہے اور اپنے تعلیمی عمل کو بہتر طریقہ سے انجام دے کر سماج کی زندگی کو ترقی دی ہے، اور جن معاشروں اور سماجوں نے تعلیم کو بے توجہی کا شکار ہونے دیا، وہ خاطر خواہ اور نمایاں فائدہ اٹھانے اور ترقی و طاقت کی منزلوں سے قریب تر ہونے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

موجودہ ترقی یافتہ یورپ و امریکہ کی ترقی و طاقت کی نشأۃ ثانیہ جب شروع ہوئی جب اس نے علم کی طرف توجہ اختیار کی یورپ نے علم و تعلیم کی سرپرستی اور توجہ مسلمانوں کے اُندلسی تمدن سے لی۔ جس میں مسلمانوں کے اپنے علوم و تجربات کے ساتھ قدیم یورپ کے علوم و تجربات کا بھی ایک حصہ تھا۔ جس کو مسلمانوں نے اپنے دنیاوی علوم کا ایک جز بنایا اور ان سے استفادہ کیا تھا۔ یورپ نے مسلمانوں سے اخذ کئے ہوئے اصول و معلومات کو بُنیاد بنا کر اس میں نئے تجربات کئے اور دنیاوی اور مادی علم و تعلیم کو آگے بڑھایا۔ حتیٰ کہ موجودہ مادی دنیا کے اُستاد کا درجہ حاصل کرلیا۔ اور یہ افسوس ناک اتفاق ہے کہ یورپ کی ترقی کا زمانہ جو سولہویں صدی عیسوی سے شروع ہوا مسلمانوں کی غفلت اور انحطاط کا زمانہ رہا جس کی وجہ سے دُنیا کی قیادت مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر یورپ کی قوموں کے ہاتھوں میں منتقل

www.abulhasanalinadwi.org

ہوئی۔ ورنہ موجودہ مغربی تمدن سے قبل مسلمانوں کا تمدن ہی وہ تمدن تھا جس نے دُنیا کے بیشتر آباد حصّوں میں گہرا اثر ڈالا تھا اور مسلمان علماء فلاسفہ نے اساتذہ وقت کا کردار انجام دیا تھا۔

مُسلمانوں میں عمل تعلیم

مسلمانوں کے تعلیمی عمل کی ابتداء اسلام کی ابتدار کے ساتھ ہوئی تھی۔ ان کو قرآن مجید کی صورت میں معلم اعظم ملا تھا جس نے نہ صرف ان کو بلکہ ساری انسانیت کو تہذیب و تمدن علم و انسانیت کے صالح اور صحیح اصول بتائے اور ان پر عمل کرنے کی راہیں بھی تجویز کیں۔ پھر مسلمانوں نے قرآنی علم حاصل کرنے کے بعد دیگر قوموں کے حاصل کردہ معلومات اور ان کے علوم کا مطالعہ بھی کیا اور ان کے علماء فلاسفہ کے خیالات کا جائزہ لیا اور ان سے حسب ضرورت فائدہ اُٹھایا پھر اس میں بیش قیمت اضافہ کیا جس سے وہ نئی شکل میں ڈھل گئے۔

یورپ بعد میں بیدار ہوا چنانچہ اس نے اپنے مغربی علم و تمدن کی بنیاد مسلمانوں کے علم و تمدن پر رکھی کیونکہ مسلمان ہی اس کے قریبی قابل تقلید پیش رو تھے۔ لیکن قومی و وطنی عصبیت کی وجہ سے اپنا رشتہ تاریخ قدیم کے مغربی تمدنوں سے جوڑا اور روح اور مزاج انہی سے اخذ کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں قدیم رومی تہذیب اور یونانی فلسفے پر اپنی اخلاقی و تہذیبی زندگی کی بنیاد رکھی۔

یورپ سے استفادہ مغربی علم سے استفادہ

زندگی کے تجرباتی علوم میں ترقی اور کامیابی سے یورپ کو دنیاوی زندگی میں طاقت ملی اور اس کو مادی زندگی کے متعدد میدانوں میں غلبہ حاصل ہوا اس کی وجہ سے

www.abulhasanalinadwi.org

دیگر قوموں کو جن میں مسلمان بھی ہیں ان علوم و تجربات اور کامیابیوں کا جائزہ لینے اور قابلِ استفادہ گوشوں میں استفادہ کرنے کی ضرورت پیش آئی خاص طور پر اس لئے کہ مسلمانوں کی آخری صدیاں انحطاط اور علمی جمود میں گذریں جس کی وجہ سے ہم ایک طرف دین اخلاق اور ان کی صفات اور اعلیٰ نظریات میں اپنے اسلاف کے علوم و تجربات سے فائدہ اُٹھانے کے ضرورت مند ہیں تو دوسری طرف دنیاوی ترقی و تمدن کے لئے ان انکشافات و تحقیقات سے فائدہ اٹھانے کی بھی ضرورت رکھتے ہیں جو ہمارے اسلاف کی کوششوں کے بعد ظہور میں آئیں اور جو انسانی زندگی کے لئے ضروری ہیں۔ اس طرح ہمارے سامنے قابل استفادہ دو دور ہیں ایک ہمارے اسلاف کا اور ایک اغیار کا اور ـــــ الحکمۃ ضالۃ المومن این وجدھا فھو أحق بھا ـــــ کے اصول پر ہم کو سب سے فائدہ اُٹھانا ہے چنانچہ وسائل و طریقہائے تعلیم میں بھی جو مفید اور صالح اجزاء یورپ کے ماہرین علم تعلیم کے تجربے میں آئے ہیں ان سے بھی ہم کو فائدہ اٹھانا ہے۔

تعلیم اور اجتماعی زندگی کا ایک دوسرے پر اثر

تعلیم کا زندگی سے گہرا تعلق ہے دونوں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے اخذ و استفادہ کرتے ہیں۔ تعلیم کے طریقے اور مضامین انھیں ذہنوں کی پیداوار یا نتیجۂ فکر ہوتے ہیں جو معاشرہ کے مختلف طبقات سے اُبھرتے ہیں اور اپنے اپنے خیالات، مزاج اور افکار سے علیحدہ نہیں ہو سکتے، وہ جو بھی نظام بناتے یا چلاتے ہیں اس میں ان کے اپنے ماحول سے اخذ کیے ہوئے احساسات و تصورات شعوری و لاشعوری طور پر اثر انداز ہوتے ہیں اس طرح پر ماحول میں جن طبقات کا غلبہ اور جن خیالات کا رواج ہوتا ہے وہ شعوری و لاشعوری طور پر

www.abulhasanalinadwi.org

اس ماحول کے نظام کے مقاصد و مضامین تعلیم میں سرایت کرتے ہیں۔

اسی طرح تعلیم بھی زندگی پر اثر ڈالتی ہے، اس کا اثر بھی زیادہ اور ہمہ گیر ہوتا ہے۔ یوں تو باضابطہ تعلیم اگرچہ معاشرہ کے ایک خاص طبقہ کو دی جاتی ہے یعنی کم عمر طبقہ اور بچوں کو لیکن نتیجۃً وہ پورے معاشرہ پر محیط ہو جاتی ہے۔

اس کی وضاحت اس طور پر کی جا سکتی ہے کہ ہم جس نسل کو تعلیم دیتے یا دلواتے ہیں یہ نسل زیادہ سے زیادہ ۲۰ سال کی مدت میں معاشرہ میں اپنی کمزور ترین و بے اثر سطح سے نکل کر معاشرہ کی موثر ترین سطح پر آجاتی ہے۔ وہ سماج کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے یعنی جوان طبقہ جو سماج کی ہر قوت و اہمیت کی ذمہ داری کا حامل بنتا ہے۔

اکبر الہ آبادی نے اسی لحاظ سے تعلیم کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ شعر کہا تھا ؎

وہ قتل سے بچوں کے یوں بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

یعنی اگر وہ بنی اسرائیل کے شیر خوار بچوں کو قتل کرنے کے بجائے ان کی تعلیم کا بندوبست کر دیتا جو قبطی اور فرعونی ذہن کے اساتذہ دیتے اور فرعونی ذہن کا نظام اور انتظام ہوتا اور مقاصد تعلیم بھی اس ذہن کے مطابق ہوتے تو پھر وہ بچے بڑے ہونے کے بعد بنی اسرائیل کے بجائے فرعون کے مقاصد کے کام کے بن جاتے اور بغیر قتل کے نتیجۂ قتل حاصل ہو جاتا۔

ایک مثال

ہندوستان میں جب ہندی کا اجرا کیا گیا تو ہندی کی اس وقت کی حیثیت و حالت

www.abulhasanalinadwi.org

کو دیکھتے ہوئے لوگ مذاق اُڑاتے تھے لیکن جب ۲۵ ۔ ۳۰ سال مسلسل اس کی تعلیم دی گئی تو آج یہ نوبت آگئی کہ وہ سماج کی اصل زبان بن گئی اور اب وہی ہندوستانی معاشرہ کی زبانِ اوّل ہے۔

اصُول ومزاج سمجھنے کی ضرورت

اس بنیاد پر تعلیم، نظامِ تعلیم، نظریاتِ تعلیم کی معاشرہ کی تربیت وتشکیل میں بڑی اہمیت ہے۔ اس سلسلہ میں معاشرہ کے مزاج اور طبقات کے لحاظ سے تعلیم کی تفصیل کو اور اس سلسلہ میں سابق اہلِ علم کے تجربات وخیالات ومعلومات کو جاننے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تعلیم کے سلسلہ میں ہم کو اولاً باضابطہ تعلیم یعنی مدرسے کے کام اور مقام کو اور اس کے اجزائے ترکیبی یعنی طلبار اور موادِ تعلیم نیز نظریات تعلیم کے جاننے کی ضرورت ہے۔ اور معاشرہ کے سلسلے میں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ گھریلو زندگی کا تعلیمی کام کے سلسلہ میں کیا درجہ ومقام ہے۔ پھر مذہبی ذرائع کا تعلیمی لحاظ سے کیا اثر ہوتا اور ہوسکتا ہے۔ مقاصدِ تعلیم میں بھی متعدد پہلو آتے ہیں، مثلاً قومی، جمہوری، اخلاقی اور مقاصد حکومت وسیاست، ذرائع نشر واشاعت کی ترقی سے پیدا ہونے والے اثرات وفوائد نیز دیگر ذرائع ومقاصد تعلیم قابل مطالعہ واستفادہ ہیں۔

نیز یہ بھی جاننے کی ضرورت ہوتی ہے کہ تعلیم وتربیت میں مخاطبین کا ذوق ومزاج ان کی نفسیات اور شعوری کیفیات کیا ہوتی ہیں یا ہوسکتی ہیں اور ان کا تعلیمی کام پر کتنا اور کیا اثر پڑتا اور پڑسکتا ہے۔

---

www.abulhasanalinadwi.org

اِنسان کا اجتماعی مزاج

معاشرہ کی افادیت

جن افراد سے معاشرہ کی تشکیل ہوتی ہے وہ اپنے افکار و جذبات میں ایک طرح کا اشتراک وحدت رکھتے ہیں۔ دراصل نفسیات کی اصطلاح میں معاشرہ یا سماج کا اطلاق ہمیشہ انہی انسانی مجموعوں پر ہوتا ہے جن میں ناموس وحدت فکری مع اپنے دیگر فروع ولوازم کے موثر اور عامل ہو۔ معاشرہ یا سماج کے سلسلہ میں ایک اہم بات یہ ہے کہ معاشرہ بننے پر اس کے افراد کے مجموعے میں عقلی قوتِ عمل کمزور پڑ جاتی ہے اور احساسات زیادہ فعال ہو جاتے ہیں اور اس طرح پر ان میں تغیرِ عظیم ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح افراد کا یہ مجموعہ ایک وحدت بن جاتا ہے۔ اس کا مزاج، اخلاق اور معتقدات مستقل الگ رنگ و معیار کے حامل بن جاتے ہیں۔

معاشرہ کی افادیت کئی طرح کی ہے ایک تو یہ ہے کہ وہ فرد کے کام کو آسان بنا دیتا ہے کیونکہ انسان اپنی خصوصیات و کیفیات کے لحاظ سے تن تنہا اچھی زندگی نہیں گزار سکتا اس کو دوسرے انسان کی مدد و تعاون کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ اجتماعی زندگی کی صورت میں ہی ہو سکتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اجتماعی وحدت یعنی معاشرہ کی دوسری افادیت یہ ہے کہ اس کی زندگی میں افراد کی طاقت و قوت میں بے اندازہ اضافہ ہو جاتا ہے اور جو کام متفرق طریقہ سے افراد علیحدہ علیحدہ نہیں انجام دے سکتے وہ اجتماعی زندگی کے ذریعہ بسہولت سے انجام پا جاتا ہے۔ اجتماعی وحدت ایک ایسی طاقت و قوت ہوتی ہے جو افراد کے متفرق طریقہ سے برسرعمل ہونے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ دفاع اور حفاظت کا کام بھی اجتماعی وحدت سے جس طرح ہو سکتا ہے، افراد کے علیحدہ علیحدہ انتظام سے نہیں ہو سکتا۔

معاشرہ یعنی اجتماعی وحدت کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ وہ فرد کے کام و مقام کو متعین کرتا ہے۔ ہر فرد اپنی سہولت و صلاحیت کے مطابق محدود دائرے میں کام کرتے ہوئے مجموعی دائرہ کے فوائد حاصل کرتا ہے ہر شخص کا کام اور مقام متعین ہوتا ہے، لیکن تمام افراد کے مجموعے کی جدوجہد سے حاصل ہونے والے نتائج میں شریک ہوتا ہے، اور ایک یا چند پہلوؤں پر توجہ مرکوز رکھ کر تمام پہلوؤں کے فوائد میں حصہ دار بنتا ہے۔ یہ بات اجتماعی وحدت کے تعاونی مزاج اور تقسیم عمل سے حاصل ہوتی ہے۔

انسانی مزاج کی پختگی اور تغیر پذیری

انسانی مزاج و فطرت اپنی پختگی کے لحاظ سے دو طرح کا حال رکھتی ہے ایک تو ناقابلِ تغیر دوسرا قابلِ تغیر۔

قرآنِ مجید میں آیا ہے: ـــــ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ـــــ "اللہ کی بنائی ہوئی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کی سرشت قائم کی ہے اللہ کی پیدا کی ہوئی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں"۔

لیکن دوسری جگہ فرمایا کہ ـــــ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی

www.abulhasanalinadwi.org

یغیروما بأنفسهم ــــ" اللہ تعالیٰ اس حالت کو جو کسی قوم کی ہوتی ہے اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدل دے"۔

اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ ــــ " کل مولود یولد علی الفطرة فأبواه یهودانه وینصرانه ویمجسانه"۔ ہر پیدا ہونے والا فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے اس کے بعد اس کے والدین اس کو یہودی بناتے ہیں، عیسائی بناتے ہیں، مجوسی بناتے ہیں۔

ان حوالوں سے ایک طرف تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی جو فطرت بنا دی گئی ہے وہ بالکل نہیں بدلتی خود حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ایک پہاڑ کو سنو کہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو تسلیم کر سکتے ہو لیکن اگر یہ سنو کہ کوئی اپنی فطرت سے ہٹ گیا تو تسلیم کرنے کی بات نہیں۔ یہ فطرت وہ حالت ہے کہ اس کو بدلا نہیں جا سکتا۔ کسی وقت یہ مزاج دب سکتا ہے، خاص حالات کے اثر سے مغلوب ہو سکتا ہے لیکن بدل نہیں سکتا۔ ایسے مزاج کو بدلنا بے نتیجہ محنت کرنا ہے۔ عورت کے اسی مزاج کے بارے میں فرمایا کہ عورت دراصل پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ خمیدہ ہے۔ یہ مزاج عورت میں ہے تم اگر اس خمیدہ کو بصورت مستقیم کرنا چاہو گے تو وہ ٹوٹ سکتی ہے بصورت مستقیم نہیں ہو سکتی۔

لیکن انسان کا دوسرا مزاج بہت سے اثرات یا حکیمانہ کوشش سے بدلا جا سکتا ہے۔ تربیت و تعلیم کا میدان عمل بھی اصلاً یہی مزاج و طبیعت ہوتی ہے اور تعلیم و تربیت کی ساری کوشش اسی طبیعت کی اصلاح یا افساد کے لیے صرف کی جاتی ہیں۔ یہ بات افراد کے ساتھ بھی ہے اور افراد کے مجموعے کے ساتھ بھی۔

www.abulhasanalinadwi.org

اجتماعی مزاج عقلی سے زیادہ جذباتی

افراد کے معاملہ میں تو فرد واحد کو دیکھنا پڑتا ہے لیکن اجتماعیت کی صورت میں افراد کے انفرادی مزاجوں کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی بلکہ افراد کی اجتماعی زندگی سے جو مشترک مزاج پیدا ہوجاتا ہے اس کو سامنے رکھا جاتا ہے اور وہ علیحدہ رنگ اور سطح کا ہوتا ہے۔ اس میں عقلی عمل کمزور اور احساسات کا عمل تیز ہوجاتا ہے۔ سطحیت اور جذباتیت کا اثر بڑھ جاتا ہے۔ اجتماعی وحدت کے مزاج میں ایک نیم شعوری کیفیت پیدا ہوجاتی ہے جس میں عقل اپنی تاثیر کو زیادہ برقرار نہیں رکھ پاتی۔ عقلی استدلال سے اثر نہیں پڑتا جو شعوری تحریک یا جذباتی انداز سے پڑتا ہے۔ عجیب وغریب بات کا اثر اس سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جتنا سیدھی سادھی اور معقول و عام بات کا ہوتا ہے۔

معاشرہ کی اپنے معتقدات کے ساتھ وابستگی

اجتماعیت میں ایک خاص مزاجی کیفیت یہ بھی ہوتی ہے کہ اپنے معتقدات پر زیادہ طاقت سے قائم رہتی ہے اور ان میں تبدیلی آسانی سے قبول نہیں کرتی اور ہر ایسی کوشش کی علی العموم طاقت کے ساتھ مقابلہ کرتی ہے۔ اسی لئے عام طور پر مصلحین وانبیاء کی دعوت کو بڑا مقابلہ و جہاد کرنا پڑتا ہے اور طویل محنتوں اور صبر و برداشت کے بعد جستہ جستہ کامیابی ملی ہے۔ ہمیشہ نئی بات خواہ وہ کیسی ہی قرین عقل اور قابل قبول رہی ہو یہ کہہ کر مسترد کردی جاتی ہے کہ ما الفینا علیہ اٰبائنا یعنی جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے یہ اس کے خلاف ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ — وان کان آباءھم لا یعقلون شیئاً ولا یھتدون — یعنی

www.abulhasanalinadwi.org

کیا اس وقت بھی ایسا کریں گے کہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ راہ پاتے ہوں۔

جماعت کا مزاج یہ ہے کہ یوں تو نئی بات کو مشکل سے قبول کرتی ہے لیکن اگر کسی وجہ سے قبول کرتی ہے تو اس کو حتی الوسع اپنے مخصوص رنگ میں ڈھالنے کی کوشش کرتی ہے اور اس کو اپنے طرز کا بنا لیتی ہے۔

انفرادی منفعتوں کی کمزوری

جماعت کی وحدت میں افراد کی علیحدہ علیحدہ منفعتوں کا جذبہ کمزور ہو جاتا ہے۔ ہر مسئلہ میں جماعتی نقطہ نظر سے معاملہ ہوتا ہے۔ جماعت کا ایک مخصوص مزاج بن جاتا ہے طبیعت کا ایک مخصوص انداز ہوتا ہے لیکن اس میں وہ مشترک حالات جو جماعت کا بنیادی مزاج ہوتے ہیں، حسب ذیل ہیں:۔

تخیل کا اثر

(۱) ضعیف العقلی، تخیل آرائی، مبالغہ پسندی۔ یعنی جماعت کی صورت اختیار کر لینے کے بعد عقل کی بنیاد کمزور ہو جاتی ہے۔ ایک نیم شعوری کیفیت کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ خیالات کا عمل دخل زیادہ ہوتا ہے اور جماعت کی طبیعت میں مبالغہ پسندی پیدا ہو جاتی ہے، تمام حالات و مسائل میں اس کی مذکورہ بالا صفات ابھر آیا کرتی ہیں۔ اس میں زود اعتقادی، خیالی باتوں سے تعلق اور ان کا اثر قبول کرنے کی صفت بڑھی ہوئی ہوتی ہے وہ وہمی باتوں سے وہ اثر لیتی ہے جو حقیقی باتوں سے نہیں لیتی۔

جذباتیت

(۲) دوسری خاص صفت جذبات کے غالب رہنے اور اشتعال پذیر ہونے کی ہے۔ جماعت جذبات سے زیادہ کام لیتی ہے اور جذبات میں تحریک پیدا

www.abulhasanalinadwi.org

کرنے والی باتوں سے اور زیادہ مشتعل ہوجاتی ہے اس میں تعصب اور قدامت پرستی کا مزاج ہوتا ہے۔ صاحب طاقت وسطوت سے مرعوبیت ہوتی ہے اس کے سامنے جھکتی ہے اور اس کی باتوں کو بسر وچشم قبول کرتی ہے جو افراد جماعت کی اس کمزوری کو جانتے ہیں وہ بعض غلط یا معمولی نکتوں سے جماعت کو متاثر اور متحرک کردیتے ہیں اور اس کی اشتعال پذیری سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

تلون مزاجی

(۳) جماعت کی تیسری صفت تلون مزاجی ہے وہ ایک معاملہ یا ایک رائے پر زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکتی۔ اس کے جذبات کو قائم رکھنے کے لئے قائد کو جدت اختیار کرتے رہنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

اخلاقی معیار کی کمی

(۴) جماعت کی چوتھی صفت اخلاقی معیار کی پستی ہے۔ اس سے اخلاقی سطح کی امید نہیں کی جاسکتی جو فرد سے کی جاسکتی ہے۔ اس سلسلے میں اس کا معیار علی العموم کمزور ہوتا ہے بلکہ اخلاقی ابتذال اس کے مزاج کا جز ہوتا ہے اور جماعتی رجحان اسی کی طرف مائل ہوجایا کرتا ہے۔

---

www.abulhasanalinadwi.org

سماج کے معتقدات اور اُن کے عوامل

سماج یعنی جماعت کے اقدار و معتقدات دو سطح کے ہوتے ہیں. ایک تو اساسی حیثیت کے مالک ہوتے ہیں اور آسانی سے تبدیل نہیں ہو سکتے. دوسرے غیر اساسی ہوتے ہیں اور وہ مختلف عوامل و مؤثرات سے اثر لیتے ہیں اور بدلتے رہتے ہیں.

سماج کے معتقدات و اقدار کے بنانے اور بدلنے والے عوامل دو طرح کے ہوتے ہیں. ایک عواملِ بعیدہ دوسرے عوامل قریبہ.

عوامل بعیدہ

مذہب

عوامل بعیدہ میں سب سے اہم عامل مذہبی اثرات ہیں. معتقدات و اقدار کو بنانے میں سب سے زیادہ اثر انہی کا پڑتا ہے. اکثر معتقدات اسی کے اثر کا نتیجہ ہوتے ہیں اور تاریخ انسانی کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ ہر جماعت کے معتقدات کی تشکیل میں اور پھر ان کی حفاظت و بقا میں مذہبی اثرات نے غیر معمولی کام کیا ہے دوسرے عوامل و مؤثرات کا درجہ مذہب کے بعد آتا ہے. مذہب کی اس طاقت

www.abulhasanalinadwi.org

کو زندگی کے مختلف پہلوؤں میں نمایاں دیکھا جا سکتا ہے۔ تاریخ انسانی میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ مذہب آدمی کے دل کو مخاطب کرتا ہے اور دل کے متاثر ہونے میں عقل حارج ہونے کی صلاحیت بہت کم رکھتی ہے۔ اس لئے مسئلہ خود آدمی کے اندر سے مطمئن یا متاثر ہونے کا ہوتا ہے دماغی طور پر مطمئن ہونا لازمی نہیں۔ اور سماج اپنے نیم شعوری خصوصی مزاج کی وجہ سے مذہب کی پُراثر زبان کو زیادہ سنتا اور اثر لیتا ہے۔

مذہب کے علاوہ دیگر عوامل میں قومیت، قومی روایات، نظامِ حکومت و نظامِ معاشرتِ زمانہ اور تربیت و تعلیم قابلِ ذکر ہیں۔ اور یہ سب عواملِ بعیدہ کے دائرے میں آتے ہیں۔

قومیت

قومیت ایک ایسے مشترک تصور پر مبنی ہوتی ہے جو تہذیبی، لسانی اور تمدنی وحدت پر قائم ہوتا ہے اس کے نعرہ میں بڑا اثر ہوتا ہے جو بعض وقت بڑی بڑی تحریکوں کو جنم دیتا ہے۔ مذہب کے بعد اس کی طاقت خاصی دیکھی جا سکتی ہے۔

قومی روایات

قومی روایات بھی اسی طرح زندگی کے اندر گہرے اثرات رکھتی ہیں اور سماج ان سے بہت تعلق خاطر اور وابستگی رکھتا ہے۔ یہ روایات نسل سے نسل کو منتقل ہوتی ہیں اور سماج کو بہت عزیز ہوتی ہیں ان کی حفاظت میں سماج بعض وقت بڑی قربانی دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے لیکن ان کو اپنے سینے سے لگائے رکھتا ہے۔

نظامِ حکومت و معاشرت

نظامِ حکومت و نظامِ معاشرت کے اثرات بھی بہت وسیع اور گہرے پڑتے

www.abulhasanalinadwi.org

ہیں۔ نظامِ حکومت اپنے مختلف ذرائع و وسائل سے اپنی قوم کے معتقدات کی تشکیل و حفاظت میں مؤثر ہوتا ہے اور ان کی اس شکل کو جو اس کے مطلب و مذاق کے مطابق ہو، پروان چڑھاتا اور ترقی دیتا ہے۔

نظامِ حکومت کی طرح نظامِ معاشرت بھی طاقت و راثر کا مالک ہوتا ہے اور بعض ان گوشوں پر بھی اثر انداز ہوتا ہے جن پر نظامِ حکومت کا حکم نہیں چلتا۔

زمانہ

زمانہ بھی اقدار و معتقدات پر اثر انداز ہوتا ہے۔ زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ بہت سے اقدار پرانے اور دور از کار ہو کر کمزور یا ختم ہو جاتے ہیں ان کی جگہ نئے اقدار لے لیتے ہیں۔

نظامِ تعلیم و تربیت

رہا نظامِ تعلیم و تربیت تو وہ ایک مؤثر ترین عامل ہے۔ وہ افراد جن کے مجموعے سے سماج بنتا ہے وہ عمر کے ابتدائی حصہ میں جو تعلیم و تربیت حاصل کرتے ہیں ان سے ان کی زندگیاں خاصی تبدیل و متاثر ہوتی ہیں اور پھر یہ افراد سماج کے اصل عناصر بنتے ہیں۔ ہر معاشرہ کے طرز و معتقدات کو نئی شکل دیتے ہیں۔ اس طرح پر تعلیم و تربیت نوجوانوں کے راستے عوامل قریبہ سے جماعت پر غیر معمولی اثرات ڈالتی ہے۔

عوامل قریبہ

الفاظ کی طاقت

معتقدات جماعت پر اثر ڈالنے والے عوامل قریبہ میں ایک تو الفاظ و ادبی تعبیرات ہیں۔ یہ الفاظ و تعبیرات اپنے معنوں کے پس منظر کے ساتھ بہت موثر ثابت ہوتے

www.abulhasanalinadwi.org

ہیں۔ ان کے حسبِ موقع استعمال و تکرار سے ذہنوں اور جذبات پر گہرا اثر پڑتا ہے اور جماعت کے مزاج کو متاثر کیا جاسکتا ہے اور بعض اوقات مخصوص الفاظ کے بار بار استعمال سے وہ اثرات پڑتے ہیں جو بے شمار دلائل اور عقلی توجیہ و تفہیم سے نہیں پڑا کرتے۔ الفاظ کے اس جادو سے لوگوں نے بہت کام لیا ہے، اور بعض وقت قوم کے رُخ کو بدل دیا ہے۔ مثلاً ہندوستان کو ہی سامنے رکھیے تو آزادی سے قبل آزادی، انقلاب، انگریز، انگریزیت، غیر ملکی اقتدار، غلامی، بدیشی اور اس سے ملتے جُلتے الفاظ کس قدر طاقت و اثر رکھتے تھے۔ اسی طرح آج کے حالات میں امن، جنگ، مزدور، مساوات، سامراجیت، اشتراکیت، امن عالم، خود مختاری سرمایہ دارانہ نظام، سی۔ آئی۔ اے اور اسی طرح کے دوسرے الفاظ ہیں جن کو استعمال کرنے سے ذہنوں کو فوری طور پر متاثر کر دینے کا فائدہ ہوتا ہے اور جبتک اصل حقیقت بتانے کی کوشش کی جائے اس وقت تک ان الفاظ کو استعمال کرنے والا بہت آگے تک کا فائدہ اُٹھا چکا ہوتا ہے۔ بعض الفاظ اپنے ساتھ طاقت ور پس منظر رکھتے ہیں۔ ان الفاظ کو بار بار استعمال کرنے سے الفاظ کے معنوں سے کہیں زیادہ ان کا پس منظر اثر انداز ہوتا ہے اور سننے والے یہ فرق نہیں کر پاتے کہ الفاظ اپنے معنوں کے اثرات ڈال رہے ہیں یا پس منظر، جو ضروری نہیں کہ اس موقع پر صحیح ہو۔

اوہام و تصوّرات

دوسرا قریبی عامل وہم و خیال پر مبنی تصورات ہیں جن پر تمدن کی اصل بنیاد ہوتی ہے۔ چونکہ عوام کا ذہن اوہام پسندانہ ہوتا ہے اس لئے اوہام و خیالات پر بہ نسبت حقائق کے زیادہ تکیہ کیا جاتا ہے۔

دراصل ذہنوں میں جو بات سما گئی ہوتی ہے اسی کے مطابق رائیں بنتی ہیں

www.abulhasanalinadwi.org

اور حالات وواقعات کے مطابق تصوّر قائم کیا جاتا ہے بعض وقت ذہنوں میں قائم ہونے والے تصوّرات سے اصل واقعات بالکل مختلف بلکہ متضاد ہوتے ہیں۔ لیکن جماعت اپنے تخیلات واوہام پر ہی فیصلہ کرتی ہے۔ ایسے موقع پر اہلِ عقل کی کوششیں بھی کم سود مند ہو پاتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ شرک وکفر کے نہایت احمقانہ رسوم واوہام بعض وقت حق وایمان کے کھلے حقائق کو چلنے نہیں دیتے اور حق کی طرف بلانے والوں کے دلائل زیادہ کارگر نہیں ہوتے۔ ایسے موقع پر جماعت کے مزاج کی رعایت کے ساتھ جذبہ وشعور کو متحرک کرنے کے ذریعہ کو کامیابی نسبتاً زیادہ ہوتی ہے

تجربات

تیسرا عامل، سماج کے اپنے خود تجربے ہیں۔ یہ تجربے بھی اس کے معتقدات پر اثر انداز ہونے کی کسی نہ کسی حد تک صلاحیت رکھتے ہیں۔ اگرچہ اوہام وخیالات سے ان کا مقابلہ ہوتا ہے اور خالصتاً یہ تجربے پوری طرح کارگر نہیں ہوتے۔ لیکن پھر بھی ذہنوں میں تجربات کی تصویر جتنی زیادہ صاف آتی ہے اتنا ہی اُن کا اثر خیالات و معتقدات پر پڑتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اپنی آنکھوں سے عیاں طور پر دیکھ لینے اور پرکھ لینے کے بعد دماغوں میں بیٹھے ہوئے اوہام وخیالات بدلنے پر مجبور ہوتے ہیں۔!

یورپ میں جب سائنسی تحقیقات اور فلکی انکشافات زیادہ عام اور نمایاں طریقے سے زندگی کے تجربوں میں آنے لگے تو عوام حکومت اور کلیسا کی ہٹ دھرمی ان کے رواج کو نہ روک سکی لیکن ان انکشافات کے واضح طریقے سے سامنے آنے سے قبل انکشافات کرنے والوں کو خاصی سزا اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔

www.abulhasanalinadwi.org

عقلِ انسانی

چوتھا عامل عقلِ انسانی ہے۔ یہ بھی معتقدات کو متاثر کرنا چاہتی ہے اور کسی نہ کسی حد تک کرتی ہے لیکن سماج کے معتقدات کو متاثر کرنے میں سب سے کمزور یہی ثابت ہوتی ہے۔ کسی امر کے صرف عقل کے راستے سے ثابت ہو جانے سے معتقدات جماعت تھوڑا متاثر تو ہو سکتے ہیں لیکن عموماً عام تبدیلی کی صورت نہیں اختیار کر پاتے اس لئے بڑی حد تک قلب کے تعاون کی ضرورت پڑتی ہے۔

---

www.abulhasanalinadwi.org

مذہب اور قومیت کے اثرات

معتقدات جماعت پر مذہب و قومیت کے اثرات

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ جماعت کے اقدار و معتقدات پر مذہب کا اثر بہت گہرا اور دور رس ہوتا ہے۔ دیگر مؤثرات و عوامل میں سے مذہب کی طرح اثر کرنے والی ایک دوسری حالت قومیت کے رشتہ میں بھی ہے۔

مذہب اور قومیت کے اثرات عام طور پر سماج کے معتقدات و اقدار کے وسیع دائروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کا تعلق انسانوں کے جذبات اور دل سے گہرا ہے اور سماج کی زندگی کو ایک مخصوص رنگ دینے میں ہر ایک کا بڑا حصہ ہوتا ہے۔

مذہب

جہاں تک مذہب کا تعلق ہے وہ سماج کا رشتہ خالق و معبود سے جوڑتا ہے اور اس کے معتقدات و عادات کو اس کی مرضی کے تحت لانا چاہتا ہے اور اس سلسلہ میں انسانوں کے دل میں چھپے ہوئے مذہبی جذبہ کو متحرک کرتا ہے اور فعّال بناتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

ان دیکھی طاقت کی عظمت کا احساس

انسان کی فطرت اور اندرونی شعور ایک ان دیکھی طاقت کی عظمت کا دبا ہوا دھیان رکھتا ہے اور جب کوئی ایسا خیال یا حال سامنے آتا ہے جس میں اس غیر مرئی طاقت کا ہاتھ محسوس ہو سکتا ہو تو فوراً اس کے جذبات اور احساسات اس کے تصور سے متاثر ہوتے ہیں اور وہ تاثر عمل پر اور رجحانات پر ظاہر ہونے لگتا ہے۔

یہ کیفیت نہایت غیر تعلیم یافتہ اور جاہل معاشروں سے لے کر ترقی یافتہ اور متمدن معاشروں تک سب میں پائی جاتی ہے۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ غیر تعلیم یافتہ معاشرہ میں اس کا کھلا اظہار ہوتا ہے اور ترقی یافتہ اور متمدن معاشروں میں اگر کھلا اظہار نہ ہو تو بند اظہار ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ معاشرے جن میں مذہب کے اثر کو مختلف طریقوں سے ختم کرنے کی مسلسل کوشش کی گئی وہاں بھی مذہب کے اثرات جڑوں کی شکل میں باقی رہے اور جیسے ہی ان کو مدد ملی ان کی زندگی ظاہر ہونے لگی۔ اس کے لئے روسی نظام میں مذہب کے اثرات کا بحالہ باقی رہنا بہت بڑی دلیل ہے، جہاں ہر طرح مذہب کے عمل دخل ختم کرنے کے وسائل اختیار کیے گئے۔ بالآخر مذہب کو اپنے اثرات کسی نہ کسی حد تک ظاہر کرنے کی اجازت وہاں بھی دینی پڑی۔

مذہب ایک عظیم طاقت

مذہب ایک عظیم طاقت ہے جو ایک طرف معتقدات و خیالات کو تشکیل دینے میں بڑا حصہ لیتی ہے اور دوسری طرف جماعت اور فرد کے اندر زندگی، ہمت اور حوصلہ بھی پیدا کرتی ہے اور بعض وقت اس سے ایسے عظیم کام انجام دلوا دیتی ہے جو دوسرے طریقوں سے انجام نہیں پا سکتے۔ مذہب کی تعلیمات میں ایسے عناصر

www.abulhasanalinadwi.org

ہوتے ہیں جو انسان کی جذباتی اور معنوی طاقت کو مضبوط سہارا دیتے ہیں اور حوصلہ کو زندگی بخشتے ہیں اور بعض بعض وقت اتنی بڑی قربانیوں پر آمادہ کرتے ہیں جن کا تصور آسان نہیں ہوتا۔

انسانی تاریخ میں مذہب کی مضبوط اثر اندازی کی بے شمار مثالیں گزری ہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ یورپ کے جدید ملحدانہ اور باغیانہ فلسفوں کی کامیابی سے پہلے، مذہب کے سہارے کے بغیر دنیا میں کہیں نہ سیاست کامیاب ہوتی تھی اور نہ حکومت اور نہ کوئی اجتماعی کام انجام پاتا تھا اور نہ کوئی تربیتی یا اصلاحی جدوجہد۔ حتیٰ کہ حکمرانوں کو اپنے اقتدار کی بقا کے لئے مذہب کی تائید و تعاون کا سہارا لینا پڑتا تھا۔

مذہب و سائنس کی کش مکش

یورپ میں علمی و صنعتی انقلاب کے وقت مذہب اور سائنس کی کش مکش شروع ہوئی اور عیسائی مذہب کے علمبرداروں کی غلطیوں اور ناسمجھیوں کے نتیجہ میں دین و دنیا کی تفریق کا نظریہ وجود میں آیا اور اس کو نافذ کیا گیا۔ لیکن مذہب کی طاقت کو توڑنے یا بے اثر کرنے کے لئے اس کی جیسی نہ سہی تو اس کے قریب کی طاقت سے کام لینے کی ضرورت تھی وہ کام اس تفریق کے داعیوں نے قومیت کے نظریہ سے لیا۔

یہ قومیت جو دراصل مذہب کے تابع رہ کر کام کرتی تھی اس وقت سے مذہب کی حریف بنی اور اس نے مذہب کے اثرات کو بہت نقصان پہونچایا۔ لیکن اسے ختم کرنے میں اس کو پھر بھی کامیابی نہیں ہوئی اور مذہب اور مذہب بیزار قومیت کے درمیان یہ کش مکش اب بھی دنیا کے بڑے حصے میں چل رہی ہے۔

قومی جذبات کا عمل اور عصبیت

مذہب اگر اپنے ماننے والوں کو خالق و معبود سے جوڑنا چاہتا ہے اور

www.abulhasanalinadwi.org

انسانوں کے دلوں کے ان جذبات کو متحرک کرتا ہے جو ان دیکھی طاقت کی عظمت کا احساس و خوف رکھتے ہیں، تو قومیت اپنے افراد کو ان کے مشترکہ نسلی، ثقافتی و وطنی جذبات کو متحرک کرتی ہے۔ یہ جذبات بھی فطرت انسانی کے اندر پائے جاتے ہیں اور متحرک ہونے پر اثر کرتے ہیں۔ دراصل انسان کو اپنے سے تعلق رکھنے والے ہر فرد اور ہر چیز سے ایک اندرونی تعلق ہوتا ہے۔ وہی تعلق ترقی کر کے عصبیت اختیار کر لیتا ہے یہ عصبیت انسان کے مزاج کا جز ہے۔ مذہب کا راستہ مل جائے تو ادھر چلتی ہے قومیت کا راستہ مل جائے تو ادھر چلتی ہے۔

مذہب میں بے غرضی و ایثار

مذہب چونکہ انسان کا تعلق ایک بالا طاقت سے جوڑتا ہے اس لئے اس کی کامیابی و اثر کی صورت میں انسان اپنی ذاتی خواہش، ذاتی مصلحت، ذاتی مفادات کو اس طاقت کی مرضی کے لیے قربان کر دیتا ہے اور عظیم اقدار کے لیے بے نفسی، بے غرض قربانی، بے لوث خدمت اور ہمدردی کا ثبوت دیتا ہے اور اس طرح کسی بھی معاشرہ کی ترقی اور بقا کے لئے مدد و ترقی کا باعث بنتا ہے۔ یہ اقدار کسی بھی معاشرے میں اگر عام ہو جائیں تو وہ معاشرہ ایک خوش بخت اور امن و عافیت اور کامیابی کا دلکش معاشرہ بن جاتا ہے۔

قومیت میں خود غرضی و تفرقہ و انانیت

اس کے برعکس قومیت کا مزاج خود غرضی پر مبنی ہے یعنی اپنی چیز، اپنا نفع، اپنی مصلحت اس کی بنیاد ہوتی ہے جو کہ دوسرے کی چیز، دوسرے کے نفع اور دوسرے کی مصلحت سے کہیں بھی ٹکرا سکتی ہے۔ قومیت میں آفاقیت اور دوسرے کے لیے

www.abulhasanalinadwi.org

بے غرضی، اعتماد کرنے کے جذبہ کو مدد نہیں ملتی، بلکہ انسانیت بڑے اور چھوٹے گروہوں میں بٹنے لگتی ہے۔ پھر بڑے گروہ مزید چھوٹے گروہوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اس تفرقہ و تقسیم کو اگر مذہب کی طاقت سے نہ روکا جا سکتا ہو تو پھر جبر و طاقت کے علاوہ کوئی اور چیز اس کو نہیں روک سکتی۔

آج جہاں بھی خالص قومی بنیاد پر نظام قائم کیے گئے ہیں وہاں اگر اس کے نظریہ کو پوری آزادی دے دی جائے تو ہر ایک قومیت متعدد بلکہ دسیوں قومیتوں میں تقسیم ہو سکتی ہے۔ کہیں پر یہ تقسیم لسانی بنیاد پر ہوگی اور کہیں نسلی بنیاد پر اور کہیں اقتصادی بنیاد پر اور کہیں سیاسی بنیاد پر اور کہیں کسی اور بنیاد پر کیونکہ ان میں سے ہر ایک نظریہ قومی گروہ بندی کی اساس بننے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے اور آج دنیا کے کتنے ملک ہیں جو ان بنیادوں پر اپنی قومیت کے نظام کو چلا رہے ہیں۔

---

www.abulhasanalinadwi.org

اجتماعی زندگی کی وحدتیں اور خاندان

موجودہ سماج کا تنوع اور قسمیں

انسانی سماج آج جس قدر پیچیدہ اور وسیع ہے اتنا پہلے زمانہ میں نہ تھا۔ آج اس کے اندر تنوع بھی ہے اور اس کی چھوٹی وحدتوں میں کثرت بھی ہے۔ یہ وحدتیں نسل کی بنیاد پر، ذہن کی بنیاد پر، مذہب کی بنیاد پر، کام اور مشغولیت کی بنیاد پر، تعلیم وصنعت کی بنیاد پر، اور بھی دیگر بنیادوں پر قائم ہیں، لیکن یہ سب وحدتیں ایک بہت بڑی وحدت کے اندر داخل اور ضم ہیں جو تقریباً پوری دنیا پر محیط ہے، اور اگر احتیاط کے ساتھ کہا جائے تو اس بڑی وحدت سے دنیا کے بڑے بڑے خطوں کو وحدتوں میں تقسیم کیا جا چکا ہے۔

متمدن سماجی ادارے

متمدن انسانی سماج کو تین اداروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یہ تین ادارے (۱) خاندان (۲) مدرسہ (۳) عام معاشرہ ہیں۔ موجودہ معاشرہ انسانی آسانی کے ساتھ ان تین اداروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اور اس تقسیم کی بنیاد پر ان کے حالات

www.abulhasanalinadwi.org

اور تقاضوں اور دشواریوں پر نظر ڈالی جاسکتی ہے اور پھر ان کی تعلیم و تربیت کی صورت حال کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

سماج کا خاندانی اصول

لیکن قدیم زمانوں میں معاشرہ انسانی میں خاندانی اصول بہت غالب تھا، اس کے علاوہ دیگر وحدتی بنیادیں قابل عمل نہ تھیں۔ خاندان اور نسل کی وحدت کی بنیاد پر معاشرے بنتے تھے اور نظام قائم ہوتا تھا۔ علم و ثقافت میں چوں کہ عدم وسعت تھی اس لئے اس مذکورہ طریقہ کار میں اور بھی زیادہ پختگی اور سختی تھی۔

اسلام کے آنے سے قبل یہ اصول رائج تھا کہ یہ دیکھو فلاں تمھارے خاندان کا شخص ہے یا خاندان کے باہر کا۔ یہ لوگ حاکم و محکوم، آقا غلام، اپنے اور پرائے میں تقسیم تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ معاملہ کرنے میں اسی اصول کو اپناتے تھے۔ حاکم و محکوم کے خاندان علیحدہ ہوتے، آقا و غلام کا نظام بھی نسل و خاندان کی بنیاد پر قائم تھا۔ جنگ و امن، اپنے اور پرائے کی بنیاد پر چلتا تھا۔ اس طرح ہر خاندان یعنی نسلی رشتہ انسانی وحدتوں کے لئے بنیادی اصول تھا۔ تمام معاملات اسی کے لحاظ سے متعین ہوتے اور چلائے جاتے تھے۔ حق و ناحق میں فرق و امتیاز بھی اسی کی بنیاد پر کیا جاتا تھا۔ حکومت و سیادت، پیشے اور کام، قیام اور وطن سب اسی محور کے گرد گردش کرتے تھے۔

اسلام کا کارنامہ

اسلام نے آکر یہ اعلان کیا کہ "کلکم من آدم لافضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی الا بالتقویٰ" (یعنی تم سب آدم سے ہو، عرب کو عجم پر، عجم کو عرب پر فوقیت نہیں ہے سوائے اسکے کہ تقویٰ کے ذریعہ ہو)۔ اس طرح انسانی تقسیم کا اصول تقویٰ یعنی خوفِ خدا اور صلاح بتایا گیا۔ یعنی نیک اور اچھے لوگوں

www.abulhasanalinadwi.org

کی وحدت الگ ہے اور بُرے لوگوں کی وحدت علیحدہ۔ ان میں سے ایک وحدت کا شخص دوسری وحدت میں شامل ہوسکتا ہے۔ بُرا آدمی اچھا بن کر اچھے لوگوں کی وحدت میں ضم ہوسکتا ہے۔ اس کے برعکس خاندانی و نسلی بنیاد پر قائم ہونے والی وحدتوں کے درمیان منتقلی نہیں ہوتی ہے۔

مادی بنیاد پر قائم ہونے والی وحدت

دراصل خاندانی وحدت ہو یا دوسری کوئی اور، آج کی رائج وحدت وہ سب جدی یعنی مادی رشتوں پر قائم ہوتی ہے۔ تعلقات کے لئے مادی بنیاد ہونے کی صورت میں انسان اپنے اور اپنی برادری کے مصالح کو ہی اصول بناتا رہا ہے اور اسی کے لحاظ سے معاملات و فیصلے کرتا ہے۔ ایک خاندان سے اپنے کو وابستہ اور دوسرے سے علیحدہ سمجھتا ہے یہ درحقیقت خودغرضی کا نظام ہے جس کو دنیا کے موجودہ ترقی یافتہ عہد کے تمدن نے خاندانی بنیاد کے بجائے فرد کے ذاتی مصالح کی بنیاد پر اختیار کرلیا ہے۔ اس میں ہر شخص اس کا لحاظ رکھتا ہے کہ وہ اس کی ذات اور اس کے نقطۂ خیال اور اس کی پسند کے لوگ قابل ترجیح رہیں، اور اس سے تعلق نہ رکھنے والا قابل ترجیح نہ ہو اور یہی بنیاد خودغرضی کی ہے جو قدیم زمانہ میں نسلی ڈھانچہ پر تو کم لیکن متعدد دوسرے ڈھانچوں پر قائم ہوتی ہے جن میں مادی اور خودغرضی کا اصول چلتا ہے۔

خودغرضی

انسانی نظام اجتماع نے اب اگرچہ نئے نئے روپ اختیار کرلئے ہیں اور ان متنوع شکلوں کے باوجود اپنی عالمیت اور ایک وحدت ہونے کا قائل ہے لیکن وہ

www.abulhasanalinadwi.org

خود غرضی اور اپنے اور پرائے کے اصول سے باہر نہیں آسکا ہے وہ امن و جنگ صلح و دشمنی، سیاست و اقتصاد نیز دیگر بے شمار مسائل میں یہی اصول اپناتا ہے۔ اور اس طرح عالمی برادری کا تصور کامیاب نہیں ہوسکا۔ عالمی برادری کا تصور سب سے پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر دیا تھا وہ کلکم من آدم و آدم من تراب کے اعلان میں مخفی تھا وہی اصل وحدت انسانی کا ضامن ہے عالمی برادری کی واحد نمائندہ انجمن متحدہ اقوام نے اگرچہ اسی سے ملتا جلتا تصور اپنے چارٹر میں شامل کیا ہے لیکن وہ انسانی معاشرہ میں جو تفرقہ اور زور و ظلم چل رہا ہے اور نسلی و قومی امتیاز کے جو کیرکٹر ہیں ان کو بدل نہیں سکا ہے۔

ذیلی وحدتوں میں کمی میں نئے زمانہ کا اثر

انسانی معاشروں نے اپنے قدیم عہد کے مقابلہ میں اپنے جدید عہد میں اپنی ذیلی وحدتوں کے فرق کو کم ضرور کر دیا ہے اور وہ یہ کہ انسانوں میں علم و ثقافت کے عام ہو جانے کے باعث بہت سی ان صورتوں کو جو بدنمائی کا مظہر تھیں دبا دیا جاتا ہے اور مخفی رکھا جاتا ہے۔ مثلاً اس تصور کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ سب انسان برابر ہیں خواہ کسی نسل کے ہوں اور کوئی بھی وحدت رکھتے ہوں۔ طبقاتی فرق کو بھی ختم کرنے کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور اس کے لئے مختلف نظریات اختیار کر لیے گئے ہیں ان میں سے کسی میں اعتدال ہے اور کسی میں سختی ہے۔ لیکن عام طریقہ سے یہ کہا جانے لگا ہے کہ سب انسان برابر ہیں اور اسی کو اصل وطیرہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس کا اثر یہ پڑتا ہے کہ خاندانی نظام کے اثر و طاقت میں خاصا فرق آگیا ہے اور اب خاندانی اور نسل و رنگ کی بنیاد پر جو قومیں سوچتی اور عمل کرتی ہیں ان کو مطعون کیا جاتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

مدرسہ

انتظامی بنیاد پر اسلامی معاشرہ میں خاندان کے دائرہ کے ساتھ مدرسہ کا دائرہ شامل ہوا۔ ان دونوں دائروں کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان کا انسانی تربیت سے بہت گہرا اور قریبی تعلق ہے بلکہ انسانی معاشرہ کے تربیتی نظام کے لئے انہی دو دائروں سے بنیادی غذا ملتی ہے اور عام انسانی معاشرے کو بھی اصل تعلیم ان دو سے ہوتی ہے۔ اس لئے تعلیم و تربیت کے مسئلہ میں ان کی بڑی اہمیت ہے۔

مدرسہ تو عہد جدید کا ایک مضبوط اور وسیع نظام ہے جس کو قدیم کے مقابلہ میں غیر معمولی ترقی دی جا چکی ہے۔ اور اس کو معاشرہ کی تعمیر و ترقی کے لئے اولین مرکز بنایا گیا ہے۔

خاندانی نظریہ کی کمزوری

نیز خاندان کی طاقت کو انسانی ثقافت و تمدن نے مختلف ذرائع سے کمزور کیا ہے اس کے جو اثرات اور طاقتیں ختم نہیں کی جا سکی ہیں ان کو تسلیم کیا جاتا ہے اور ان سے فائدہ اٹھانے اور ان کے اثرات سے بچنے کی کوشش اور انتظام کیا جاتا ہے۔

بہر حال آج کا انسانی معاشرہ اپنے گوناگوں اختلاف و تنوع کے باوجود نئے ذہن کے لحاظ سے ایک عام وحدت بن گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ ایک انسانی برادری کے اصول پر چلے۔

قومیت کا اثر

لیکن اس انسانی معاشرہ نے قومیت کے اصول کو اپنی بنیاد اور فلسفہ

www.abulhasanalinadwi.org

بنایا ہے۔ یہ قومیت ملکوں ملکوں میں اپنے اپنے علیحدہ اصول رکھتی ہے جو اس کی وحدتوں کے اصل بنیاد ہوتے ہیں اور آپس کے تعلق و عدم تعلق کی وجہ بنتے ہیں۔

اس طرح ہر طرح کی قدیم نسلی و خاندانی بنیاد کی جگہ اب اس نئی بنیاد یعنی قومیت نے لے لی ہے۔

---

www.abulhasanalinadwi.org

سماج میں خاندان کی حیثیت ومقام

قدیم معاشروں میں سے جو معاشرے تمدن وعلمی ترقی کے دور میں داخل نہیں ہوئے تھے ان میں تنہا خاندان ہی تربیت فرد کا اصل مرکز تھا اور خاندان کے بڑے افراد اور ذمہ دار اس سلسلے میں اصل طاقت واثر رکھتے تھے۔ چنانچہ باپ یا دادا کو خاندان میں وہ حقوق حاصل ہوا کرتے تھے جو کسی مختار کل، سربراہ کو حاصل ہوتے ہیں۔ خاندان کی زندگی اور رجحانات کے سلسلے میں ان کو معلم یا حاکم کا مقام حاصل ہوا کرتا تھا۔ ان کے جو اخلاقی تصورات ہوتے وہی خاندان کے اندر سرایت کرتے۔ جو مذہبی خیالات ہوتے وہ خاندان کے خیالات بنتے، اس کا جو پیشہ ہوتا وہی پیشہ خاندان کے چھوٹے بڑے اختیار کرتے۔ اس طرح پر یک جہتی اور انسانیت کے ساتھ اقدار واطوار ایک نسل سے دوسری نسل کی طرف منتقل ہوتے رہتے اور یہی چیز تعلیم وتربیت کی موثر شکل ہوتی۔ اس میں نہ تو مدرسہ قائم کرنے کی ضرورت پڑتی اور نہ کسی کو استاد ومعلم بنانے کی۔

خاندان کے سرپرست کا اثر ونفوذ اور اس کی محبوبیت بعض وقت بڑھ کر اس کو ایک مقدس فرد کا مقام دلا دیتی، اس سے دنیا میں شرک وبت پرستی کی

www.abulhasanalinadwi.org

بہت سی شکلیں پیدا ہو کر عام ہوئیں۔

خاندان چھوٹے سے بڑے ہوتے اور اس کی زندگی کے پہلوؤں میں بھی کثرت و ترقی ہوتی۔ ایسی صورت میں تقسیم عمل کی ضرورت ہوتی۔

خاندان کا حلقۂ اثر

خاندان کی وسعت اور زندگی کی ترقی و تمدن کے ساتھ خاندان کے اثرات اور طاقت میں کمی ہوئی اور اس کی تربیت و رہنمائی کے متعدد کام دوسرے اداروں کو بھی منتقل ہوئے۔ لیکن خاندان کے کم سن افراد جن کو اپنے گھر اور خاندان سے باہر جانا آسان نہیں ہوتا اسی طرح اپنے خاندان کے روایتی نظام سے تربیت حاصل کرتے رہے اور عام معاشرہ میں شامل ہونے کی عمر تک پہونچنے تک ان کم سن افراد کے ذہن و دماغ اور جد و جہد و عمل کی صلاحیتوں، نیز رجحانات اور ایک حد تک ذوق و نظر کی تربیت پختگی کی حد تک ہوتی ہے اور یہ سلسلہ آج کے یورپین تمدن کے غلبہ کے دور میں بھی ایک حد تک جاری ہے۔

مغربی تمدن کا خاندان

یورپ کے تمدن نے فرد کی بے قید آزادی کا نظریہ دے کر خاندان کی یک جہتی و وحدتِ فکر و نظر کو اگرچہ خاصا نقصان پہنچایا اور فرد کی وابستگی عام معاشرہ سے زیادہ بڑھا کر خاندانی وحدت سے اس کی وابستگی خاصی کمزور کی، اس کے نتیجہ میں اس کا اپنے خاندان سے تعلق صرف استفادہ کے دائرہ تک محدود ہو گیا چنانچہ جس حد تک اس دائرہ سے باہر ہوتا ہے اپنے خاندان کی وحدت سے بھی باہر ہو جاتا ہے۔ والدین اور ان کی اولاد کے مابین وہ رشتے باقی نہیں رہتے جو پہلے نہایت قوی

www.abulhasanalinadwi.org

سمجھے جاتے تھے۔

لیکن یورپ کا تمدن باوجود بہت سے معاشروں پر اثر ڈالنے کے تمام معاشروں پر پورا اثر انداز نہیں ہوا۔ چنانچہ اس وقت دنیا دونوں طرح کے معاشروں پر مشتمل ہے لہٰذا خاندان کا تربیتی نظام بھی اہمیت و اثر کا برابر حامل چلا آرہا ہے۔

خاندانی نظام کا طریقہ

خاندانی نظام میں اقدار و رجحانات نیز اسلوب زندگی کے سیکھنے کا ذریعہ خاندان کے بڑے ہوتے ہیں۔ ان بڑوں نے اپنے بڑوں سے یہ اقدار و رجحانات اخذ کیے ہوتے ہیں، ان میں تغیر و اضافہ جزوی حد تک نئے تجربات و معلومات و انکشافات کی بنیاد پر ہوتا رہتا ہے۔ بڑوں میں خاص طور پر خاندان کا سب سے بڑا جو کہ باپ یا دادا اور اگر خاندان وسیع یا بڑا ہو تو ایک فرد یا چند افراد جو مجموعی طور پر پورے خاندان میں مختلف حیثیتوں سے بڑا پن رکھتے ہوں زیادہ موثر مقام کے مالک ہوتے ہیں اور تربیت و رہنمائی کے اصل سرچشمہ ہوتے ہیں چھوٹے اور محدود اثرات کے خاندان میں یہ درجہ باپ کو اور اس کے بعد بڑے بھائی اور ماں کو حاصل ہوتا ہے۔

اسلام کا نقطۂ نظر

اسلام نے خاندان کے اندر بڑوں کی بڑائی کو تسلیم کیا ہے لیکن ان کے حدود و حقوق بھی متعین کر دیے ہیں۔ یہ حدود و حقوق نفسیاتی و انسانی طور پر بہت موزوں اور متوازن ہیں اور ان میں اہمیت و صلاحیت کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور اسکے ساتھ ساتھ خالق کائنات کی طرف سے دی ہوئی ہدایات کا پابند کیا گیا ہے۔ باپ اپنی اولاد کے لئے کس قدر سخت اور کس قدر نرم رویہ رکھے اور ماں اپنی اولاد کے لئے

www.abulhasanalinadwi.org

کن باتوں کا اہتمام کرے، شوہر اپنی بیوی، اور بیوی اپنے شوہر کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کرے اور کن باتوں کی طرف توجہ دے۔

اس نظام میں نہ تو باپ و ماں کو غیر محدود اختیارات دیئے گئے ہیں اور نہ اولاد کو بے لگام بنایا گیا ہے، بلکہ ہر ایک کے حقوق رکھے گئے ہیں، اور واجبات بھی مقرر کیے گئے ہیں۔

مغربی نقطۂ نظر

مغربی تمدن میں چونکہ اصل اصول حریت ہے، اس لئے گھر کے اندر بھی تربیت کا نظام مادی مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اختیار کیا جاتا ہے اس میں ہر فرد کے ساتھ حریت کاملہ کا حق دیتے ہوئے معاملہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس نظام میں لڑکے کو پوری آزادی حاصل ہے وہ جس طرح کے رجحانات کی طرف مائل ہو اسی کی طرف چلایا جاتا ہے اور جس بات کو اس کی پسند اختیار کرے اسی کے لئے سہولت مہیا کی جاتی ہے اس پر کوئی بات بڑے یا کسی دوسرے فرد کی طرف سے لادی نہیں جاتی۔ معاملہ خاندانی روایات کا ہو خواہ اخلاق و عادات کا ہو اور خواہ کام اور پیشے کا ہو اور خواہ مفید و مضر کا اس میں بھی آزادی و خود مختاری کی سہولت دی جاتی ہے۔

اس نظریہ کا نقص

یورپ کے اس نظریہ کی بنیاد یہ ہے کہ لڑکے کی اصل صلاحیتوں کے نمو میں رکاوٹ نہ ڈالنی چاہیئے ورنہ اس کی فطری ترقی و تحقیق کی صلاحیت متاثر ہوگی۔ اس نظریہ پر دنیا میں بہت جگہوں پر عمل کیا گیا اور کیا جا رہا ہے لیکن ابھی اس کے ان مفاسد کا حل نہیں نکالا جا سکا ہے جو نئی نسل کی بے راہ روی اور مختلف سخت

www.abulhasanalinadwi.org

خرابیوں میں مبتلا ہوجانے کی صورت میں پیدا ہو رہے ہیں۔ غنڈہ گردی، عدم سنجیدگی، غیر انسانی رجحانات اور اخلاقی بگاڑ جس مقدار میں پیدا ہونا شروع ہوگیا ہے اس کے تدارک کا کوئی حل ابھی تک نئے تمدن کے عقلا نہیں طے کر سکے۔

مغربی تمدن میں اولاد اور ماں باپ کا تعلق

مغربی تمدن کے زیر اثر خاندان میں ربط و تعلق صرف رفاقت اور ایک دوسرے سے نفع و ضرر کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ اولاد کو کمائی اور کام کے لائق نہ ہو سکنے کی عمر تک اپنے والدین کی محتاجی ہوتی ہے اس لئے اور اسی کے بقدر وہ اپنے والدین سے وابستہ اور ان کے قدر دان ہوتے ہیں اور یہ محتاجی ختم ہوتے ہی وہ ان سے مستغنی اور علیحدہ ہو جاتے ہیں چنانچہ مغربی تمدن میں اولاد کے بڑے اور خود مختار ہونے پر ان کا والدین سے ربط معدوم کی حد تک پہونچ جاتا ہے۔

اسلام کا صلہ رحمی کا حکم

اسلام کے نقطۂ نظر و ہدایات کے اثر سے خاندان کے افراد کے مابین ایک گہرا اور ناقابل شکست رشتہ قائم ہوجاتا ہے جو صلہ رحمی کے پے بہ پے احکامات کی وجہ سے کمزور نہیں ہو پاتا۔ اولاد کو اپنے ماں باپ کی قدر و لحاظ کی سخت ترین ہدایات دی گئی ہیں جن کے بعد ماں باپ خواہ اولاد کے لئے بالکل بے نفع ہو جائیں ان کی عزت اور ان کا اثر حسب سابق قائم رہتا ہے۔ اس کے لئے قرآن مجید میں بار بار دہرائی جانے والی ہدایات بہترین مثال ہیں جن میں اپنے پروردگار کے ماننے کے حکم کے متصل بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید کی گئی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر والدین دین و اخلاق کے معاملہ میں

www.abulhasanalinadwi.org

غلط رہنمائی کریں تو ان کی پیروی نہ ہوگی، صرف ان کے ساتھ رحم دلی اور محبّت کا رویہ اختیار کرنے پر ہی اکتفا کیا جائے گا۔

فرمایا :— — —

وبالوالدين احسانا وان جاهداك على ان
تشرك بي ماليس لك به علم فلا تطعهما و
صاحبهما في الدنيا معروفا

(ترجمہ) " اور والدین کے ساتھ اچھا رویہ اختیار کیا جائے اور اگر وہ تم پر اس کی محنت کریں کہ تم میرے ساتھ شرک کرو جس کی حقیقت سے تم واقف نہیں تو تم ان کی نہ مانو مگر ان کے ساتھ دنیا میں خوبی اور نیکی سے رفاقت رکھو"

www.abulhasanalinadwi.org

بچّوں میں صلاحیتِ غور و استفادہ اور والدین کا اثر

بچہ کی عمر کے دو مرحلے

علم النفس کے ماہرین انسان کی شروع کی عمر کو جو اس کے بچپنے اور ابتدائی شباب کی ہوتی ہے طفولیت اور مراہقت دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ عمر کا یہ حصہ ہر انسان کی عمر کا بنیادی حصہ ہے اس میں تربیت اور اثرات قبول کرنے کا نتیجہ گہرا اور دور رس ہوتا ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب انسان کے مزاج و بنیادی رجحان کی تشکیل ہوتی ہے جو فطری صلاحیت میں اضافہ یا اس کی تنظیم و تہذیب کا کام کرتی ہے اور آئندہ کی عمر کے مزاج و رخ کو متعین کرنے میں اس کا بنیادی حصہ ہوتا ہے۔

طفولیت ۱۲ سال تک اور مراہقت اس کے بعد آغاز جوانی تک شمار کی جاتی ہے۔ طفولیت کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک تو چھ سال تک اور دوسرا اس کے بعد بقیہ ۶ سال۔

www.abulhasanalinadwi.org

بچّہ کے اوّل چھ سال

بچّہ کے اول چھ سال وہ مدّت ہے جو وہ گھر کے اندر اور ماں باپ کے ساتھ گزارتے ہیں اور مدرسہ و تعلیم گاہ میں جانے سے قبل کا دور ہوتا ہے اس پر بچّہ پر اثر ڈالنے اور اس کا ذہن بنانے والی ساری باتیں، اپنے والدین اور گھر سے تعلق رکھتی ہیں، اس مرحلہ میں تقریباً ہم سال تک تو بچہ کی وابستگی اپنے ماں باپ سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ وہ ہر چیز کو اپنی ماں کے توسط یا تعلق سے جانتا اور سمجھتا ہے۔ ماں کے ساتھ باپ کا اثر بھی اچھا خاصا پڑتا ہے۔ بچہ میں اتنی سمجھ نہیں ہوتی کہ وہ اپنے مشاہدات سے بڑے نتائج نکالے اور معاملات کا تجزیہ کر کے بات کو سمجھے وہ اپنے مشاہدات کو ہی اصل حقائق سمجھتا ہے اور دنیا کے متعلق اس کی رائے انہی مشاہدات پر مبنی ہوتی ہے وہ اپنی ماں اور باپ کو دنیا کا سب سے طاقت ور اور مدد و حفاظت کا مرکز سمجھتا ہے۔

بچّہ کا استفساری ذہن

لیکن تین چار سال کی عمر میں جب وہ اپنے پڑوس کے ہم عمروں سے ملنے جلنے کی منزل میں پہونچتا ہے یا اس کے گھر میں دوسرے ہم عمر بچے یا دیگر لوگ آتے ہیں اور اس کے سامنے یہ احساسات بھی آتے ہیں کہ دوسرے بچّوں کے ماں باپ بھی ان بچوں کی نظر میں یہی حیثیت رکھتے ہیں، یا دوسرے بچوں کے مشاہدات و تجربات سے اس کی واقفیت ہوتی ہے اور یا خود اس کے مشاہدات میں تضاد و اختلاف پیدا ہوتا ہے تو اس کے چھوٹے سے ذہن میں سادہ سادہ سوالات اٹھتے ہیں کہ ایسا کیوں ہے۔ ایسے موقع پر اپنے ماں باپ سے یا ان بڑوں سے جو اسکے دائرہ ربط و تعلق میں ہوتے ہیں سوالات کرتا ہے اور قابلِ وضاحت امور کی

www.abulhasanalinadwi.org

وضاحت چاہتا ہے اور اس کا موقع نہ ہونے یا تشفی بخش جواب نہ ملنے پر وہ خود حل نکالنے کی فکر اپنی محدود عقل و سمجھ کے مطابق کرتا ہے۔ اس موقع پر اس کو تشفی بخش اور مناسب جواب دینا بڑوں کی بڑی ذمہ داری ہے

حضرت ابراہیمؑ کی مثال

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ ان کے بچپن کے ذہن نے اس ارض و سما کے خالق و مالک کے متعلق سوچا، اور اولاً ستارہ کو وہی طاقت سمجھا لیکن چاند نے ان کے ذہن کو ستارہ سے ہٹا کر اپنی طرف کیا لیکن جب وہ ڈوب گیا تو ان کے ذہن نے اس کو بھی مسترد کر دیا۔ پھر ان کو سورج کا خیال آیا لیکن اس نے بھی ڈوب کر ان کے تصور کو بدل دیا اور وہ اس کشمکش سے پریشان ہو کر کہنے لگے: — لئن لم یھدنی ربی لاکونن من الضالین[۱] — پھر ان کی عقل نے رب العالمین کی ربوبیت کا ادراک کرنے تک ان کو پہونچا دیا۔

ماں باپ کا فرض

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک بہت اعلیٰ انسان تھے ان کا ذہن خلق و خالق کی حقیقت اس کم عمری میں سوچنے لگا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس اونچے مقام پر فائز کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے — ولقد اٰتینا ابراھیم رشدہ من قبل وکنا بہ عالمین[۲] — اس لئے ان کی بات تو مختلف ہے لیکن عام بچے اپنے مشاہدات اور اپنی زندگی کے سادہ واقعات پر غور کرنا شروع کر دیتے ہیں، ایسے حالات میں ان کے سوالات کا اچھا اور مفید جواب ان کی تربیت کے لئے بہت دور رس اور گہرا اثر ڈالتا ہے، ماں باپ کے لیے یہ بہترین موقع ہوتا ہے کہ ان کے ذہن کی صحیح تشکیل کریں اور صحیح اور مفید راستہ پر ڈالنا شروع کریں۔

---

[۱] اگر میرے پروردگار نے مجھے راہ نہ دکھائی تو میں یقیناً گمراہوں میں سے ہوں گا۔
[۲] اور ہم نے ابراہیم کو ان کی سمجھ شروع ہی میں عطا کر دی تھی اور ہم ان کو جانتے تھے

www.abulhasanalinadwi.org

اگرچہ ماں باپ جو خود تصور و اعتقاد رکھتے ہیں اور خالق کائنات کے سلسلے میں اور اس دنیاوی زندگی کے اصول و اقدار کے بارے میں خود ان کا جو نقطۂ نظر ہوتا ہے وہ بچہ کی ان سے وابستگی کے باعث اس کے ذہن میں بڑی حد تک محسوس و غیر محسوس طریقہ سے منتقل ہوتا رہتا ہے۔ ان کی ذاتی زندگی، مسجد یا کسی دوسرے ماحول سے ان کا ربط اور وہاں کے تعلق سے ان کا عمل اور طور و طریقہ یہ سب ان کے بچہ کے مشاہدہ میں آتا ہے۔ اور وہ اپنی محدود عقل کے مطابق اس سلسلہ میں بعض سوالات بھی کرتا ہے جن کا جواب فطری طور پر وہی ہوتا ہے جو اس کے ماں باپ کے عمل و اقدار کے مطابق ہوتا ہے۔ لہٰذا بچہ علی العموم اسی سانچہ میں ڈھلتا ہے جو اس کے والدین کا بنا ہوا ہوتا ہے۔

ٹیلی ویژن کا اثر

مغربی ملکوں میں عام طور پر اور مشرقی ملکوں کے شہروں میں جہاں ٹیلی ویژن کا رواج ہے چھوٹے بچوں کے ذہنوں کی تشکیل میں ٹیلی ویژن زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ اور وہ اپنی پرکشش فلموں اور پروگراموں کے باعث ایک طرف تو بچوں کو اپنے سے بہت وابستہ کر لیتا ہے اور دوسری طرف ان کے اخلاق و اقدار میں زبردست زلزلہ پیدا کر دیتا ہے وہ تخریب کا عمل زیادہ کرتا ہے، تعمیر کا عمل محدود اور غیروں کے مصالح کے مطابق کرتا ہے کیونکہ ٹیلی ویژن کو اس کے مالکان یا تو اپنے ذریعہ معاش کے طور پر اور حکومتیں اپنے سیاسی اغراض کے مطابق رخ دیتی ہیں اور مشاہدین کو اس کی طرف مائل رکھنے کے لئے لطف و لذت کے مناظر پیش کرتی ہیں قطع نظر اس کے کہ ان سے تعمیر میں کیا مدد مل سکتی ہے۔

لیکن جن گھروں میں تمدن کا یہ سامان نہیں پہونچا ہے یا اس کے اثرات ابھی

www.abulhasanalinadwi.org

محدود ہیں وہاں بچوں کی تربیت ان کے ماں باپ کے ہی کل اختیار میں ہوتی ہے اور ان ہی کا اثر پڑتا ہے اور وہ عموماً ساری زندگی باقی رہتا ہے۔ یہ پہلا رنگ ہوتا ہے، جس پر دوسرا رنگ مشکل سے ہی چڑھ پاتا ہے اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے: — ابواہ ینصرانہ و یہودانہ و یمجسانہ[۱]

چھ سال کے بعد کی عمر اور مدرسہ کی ابتدار

چھ سال کی عمر سے بچے کی دُنیا گھر کے ساتھ ساتھ مدرسہ تک وسیع ہو جاتی ہے اس کا حلقہ صرف اپنے گھر کی چار دیواری نہیں رہ جاتی اور صرف اس کے والدین اسکے سامنے نہیں ہوتے بلکہ گھر سے مدرستک کی زندگی میں ملنے والے افراد سے اسکا ربط قائم ہوتا ہے اور مدرسہ میں جو اس کو بتایا جاتا ہے اور پڑھایا جاتا ہے اسکے اثرات گھر کے اثرات کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں۔ بچہ کے سوالات واستفسارات کا دائرہ بھی پھیل جاتا ہے اور والدین کی طرح اساتذہ کو بھی۔ بچہ کے ذہن کی تشکیل میں کردار ادا کرنے کا موقع ملنے لگتا ہے۔

تعلیم کا طریقہ اور موضوعات

بچے کو جو موضوعات پڑھائے جاتے ہیں ان سے بچے کی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور ان سے نئے افق پیدا ہوتے ہیں اور بچہ کو غور کرنے اور سمجھنے اور اپنی محدود فہم کے مطابق ان کو ماننے کا موقع ملتا ہے۔ اس مرحلہ میں تعلیم و تربیت کے نئے موضوعات کے انتخاب اور اس کے ذہن میں اتارنے کے اسلوب کے اختیار کرنے میں حکمت کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

---

[۱] اور اسکے والدین اسکو عیسائی بنا لیتے ہیں اور یہودی بنا لیتے ہیں اور مجوسی بنا لیتے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

زمانۂ مراہقت

۱۲ سال کے بعد سے بچّہ کی عمر مزید اہمیت اختیار کر لیتی ہے یہ اس کی مراہقت کا زمانہ ہوتا ہے اس میں بچہ اپنی عقل اور اپنی ذات کا احساس بہت کرنے لگتا ہے اور تمام مشاہدات، معلومات و تجربات کو انھیں دو کے آئینہ میں دیکھتا ہے۔ وہ اپنی عقل پر بہت زیادہ اعتماد کرتا ہے اور اس کی روشنی میں اپنے بڑوں کے مشوروں کو دیکھتا ہے، اس کی عقل سے جو کہ عموماً اس کے فطری جذبات سے متاثر ہوتی ہے بڑوں کے مشورے جو مطابقت رکھتے ہیں وہ تو اس کو قبول ہوتے ہیں اور جو اس سے مطابقت نہیں رکھتے وہ اس کے لئے قابل قبول نہیں ہوتے۔ لیکن وہ ان مشوروں کو قبول یا مسترد اپنے حالات و پابندیوں کے مطابق ہی کرتا ہے۔ اس مرحلہ میں اس کے بڑے اور مربیوں کی فہم و حکمت کی ذمہ داری ہوتی ہے، بے حکمتی سے بعض وقت بہت سنگین یا اُلٹے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ اس عمر میں والدین، خاندان کے بڑے، مدرسہ کے ذمہ دار اور وسیع ماحول کے دیگر اہل لوگوں کو اثر ڈالنے کے لئے حکمت و محبت اختیار کرنے کی بہت ضرورت ہے۔

مراہقت کی عمر کی اہمیت

مراہقت کی عمر کی منزل سے جو بچے محفوظ گزر جاتے ہیں وہ عموماً پھر محفوظ رہتے ہیں لیکن اس عمر کے درمیان کی مدت کسی بھی رُخ کی طرف بچّہ کو موڑ سکتی ہے بعض وقت بچّہ اپنے گھر سے اور اپنی ابتدائی تربیت کے اثر سے بہت اچھے حال میں مراہقت کی عمر میں داخل ہوتا ہے لیکن اس کے درمیان وہ کسی سبب یا اسباب کے اثر سے بالکل غلط رُخ کی طرف مُڑ جاتا ہے، اور بعض وقت اس کے برعکس پیش آتا ہے اور وہ یہ کہ بچّہ خراب تربیت و حالات کے ساتھ مراہقت کی منزل میں داخل ہوتا

www.abulhasanalinadwi.org

ہے لیکن اس کی تربیت و ماحول اس پر اچھا اثر ڈالتا ہے اور وہ اچھے رُخ کی طرف مڑ جاتا ہے۔

مراہقت کی عمر کو غیر مفید طریقہ سے گزارنے والے متعدد بچے اس عمر سے نکلنے کے بعد اپنے اضاعت وقت کو محسوس کرتے ہوئے اور اعتراف کرتے ہوئے دیکھے گئے ہیں کہ انھوں نے وقت پر بات کو نہیں سمجھا اور کئی سال ضائع کر دیے جن میں وہ اپنی ترقی کے لئے بہت کچھ کر سکتے تھے۔

---

www.abulhasanalinadwi.org

خاندانی تربیت کے اثرات

خاندانی نظام تربیت میں لڑکے کی جو تربیت کر دی جاتی ہے اس کے اثرات اخیر عمر تک باقی رہتے ہیں وہ نسبتاً زیادہ پختہ اور راسخ ہوتے ہیں، اس لیے ماں باپ کی بڑی ذمہ داری ہوتی ہے کہ لڑکے اخلاق و رجحانات کی صحیح تشکیل کی طرف توجہ دیں کیونکہ خاندان کے اندر بڑوں کی طرف سے بے توجہی، ایسی کمزوریاں اور خرابیاں پیدا کرتی ہے جن کی اصلاح بعد میں بڑی کوششوں سے بھی پوری طرح نہیں ہو پاتی۔

بچہ کی صلاحیت استفادہ

خاندان کے اندر تربیت کا کام زیادہ دشوار بھی نہیں ہوتا، کیونکہ لڑکا عمر کی ایسی منزلوں میں ہوتا ہے کہ وہ اپنے مشاہدات اور سادہ قسم کے تجربات پر ہی تکیہ کرتا ہے، اور ان سے پیدا ہونے والے اثرات بتمامہ جذب کرتا رہتا ہے تو اگر گھر کا ماحول اچھا ہو، ماں باپ محتاط اور کسی نہ کسی حد تک مثالی زندگی گزارتے ہوں تو تنہا یہی بات لڑکے کے لئے تربیت کا ایک بڑا ذریعہ بن جاتی ہے۔ لڑکا اپنی ماں اور اپنے باپ کو دنیا کا سب سے بڑا اور مکمل اعلیٰ خصوصیات کا حامل سمجھتا ہے اس لئے اس کے لئے وہی نمونہ اور آئیڈیل ہوتے ہیں لڑکے کے ان مذکورہ بالا احساسات و تاثرات کے راستے سے اس کو جو باتیں بتائی جاتی ہیں اور جو رہنمائی کی جاتی ہے وہ پوری

www.abulhasanalinadwi.org

طرح موثر اور خشک زمین میں موسم کی پہلی بارش کی مانند ثابت ہوتی ہے۔

خدا سے تعلق

انسانی تربیت کے لئے دو باتیں بہت اہم ہیں۔ ایک خوف اور طاعتِ رب اور دوسرے تعلق و لحاظ والدین۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ اخلاقی و دینی اصلاح کے لئے شرک کی ممانعت کے ساتھ والدین سے سلوک کا ذکر آیا ہے :۔ أن لا تشرك بالله و بالوالدين احسانا۔ (ہمارے ساتھ شرک نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ)

اور انسانی زندگی میں اگر جائزہ لیا جائے تو یہی دو وہ مرکز معلوم ہوں گے جن کے اثر و مدد سے آج انسانی زندگی باقی ہے۔

خدا نے پیدا کیا اور پھر زندہ رہنے کے ضروری اسباب مہیا فرمائے۔ یہ کھانا یہ پانی، یہ حفاظت اور سردی و گرمی سے بچنے کے سب سامان خدا کے پیدا کیے ہوئے اور خدا کی طرف سے مہیا کئے ہوئے ہیں۔ اگر خدا مٹی نہ پیدا کرتا اور پانی مہیا نہ فرماتا، تو تخلیق آدم کے ساتھ ساتھ اولادِ آدم کی بقاء کے لئے غذا کس طرح مہیا ہوتی پھر خدا نے انسان کی ضرورت اور حفاظت کے تمام ضروری سامان اس زمین میں رکھے ورنہ چاند، مریخ اور اس طرح کے دوسرے کروں میں یہ کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ وہاں بفرض محال کوئی مخلوق اتار دی جائے تو اس کی تھوڑی بقا بھی مشکل ہے۔ کیونکہ وہاں نہ ہوا ہے نہ پانی، نہ قابل استفادہ زمین۔ لیکن ہماری زمین پر نہ صرف یہ کہ ہوا اور پانی موجود ہیں بلکہ ان کی مقدار انسان کی ضرورتوں کے عین مطابق بلکہ کچھ زائد ہی ہے تاکہ دشواری نہ ہو۔

پھر صحت اور خطرات سے بچنے کے مسائل ہیں۔ ایک مومن تو بہر حال اس پر

www.abulhasanalinadwi.org

یقین رکھتا ہے کہ رب العالمین کی خصوصی نصرت و مدد نہ ہو تو چند لمحات بھی صحت و زندگی کی بقا مشکل ہے تو سب سے قبل رب العالمین کا احسان ماننا اور اطاعت کرنا ضروری ہے۔ اسی لئے قرآن مجید جو کہ کتاب ہدایت و تربیت ہے، سب سے پہلے اسی کی تاکید کرتا ہے کہ لا تشرکوا باللہ۔ اور حضرت لقمان کا اپنے بیٹے سے خطاب نقل کرتا ہے کہ یا بنی لا تشرک باللہ إن الشرك لظلم عظیم[۵]

والدین سے تعلق

شرک سے بچنے کے متصلاً بعد تاکید آتی ہے کہ و بالوالدین احسانا اور تاکید آتی ہے کہ ولا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولاً کریما ـــــــ " ان سے اف بھی نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو، ان سے نرم اور اچھی بات کہو۔"

اور جب ماں باپ کی اطاعت رب العالمین کی اطاعت سے ٹکرا رہی ہو تو وہاں بھی درمیانی طریقہ کار اختیار کرنے کی تاکید کی کہ ـــ وان جاھداك علی ان تشرك بی ما لیس لك به علم فلا تطعھما وصاحبھما فی الدنیا معروفا ـــــــ اور اگر وہ تم سے کوشش کریں کہ تم شرک کرو تو ان کی اطاعت نہ کرو لیکن ان کے ساتھ رہو دنیا میں اچھے طریقے سے۔

گھر کے ماحول میں جو کہ قوم کے ماحول کی بنیادی اور مختصر ترین وحدت ہوتی ہے سب سے قبل لڑکے کا دماغی اور جذباتی تعلق خدا اور ماں باپ سے جوڑنا چاہیئے خدا سے اصلاً اور بنیادی اور ماں باپ سے اس کے بعد اور دیگر تعلقات دنیا کے مقابلہ میں اوّل اور ترجیحی۔

---

[۵] اے میرے بیٹے اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، شرک کرنا بڑا غلط کام ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

دونوں باتوں کے دُور رس اثرات

یہ دو قسم کا تعلق اگر لڑکے کے دماغ میں راسخ ہو جاتا ہے تو صرف یہی نہیں کہ دونوں کے احسانات کی قدر و احسان مندی ہوگی بلکہ مستقبل کی پوری زندگی میں قدم قدم پر حفاظت اور وابستگی کی ضامن ہوگی۔

اخلاقی اور دینی معاملات میں خدا کا تعلق و خوف انسانی درستگی اور اس کے لئے اصل رہنما اور محرک ہوتا ہے۔ اجتماعی و انفرادی معاملات میں ماں باپ اور ان کی غیر موجودگی میں ان کے نائبین کی رہنمائی اور روک حفاظت کرتی ہے۔

اس لئے سب سے اوّلین تعلق و وابستگی خدا سے اور پھر اپنے والدین سے انسان کی انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کے لئے ضروری ہے۔

دونوں پر زور دینے کی ضرورت

ماں باپ کو لڑکوں کی تربیت میں ان دو بنیادوں کو پختہ کرنے کی طرف توجہ دینا چاہیئے۔ بچہ کے چھوٹے ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے اس کو بتانا چاہیئے کہ سب کو پیدا کرنے والا خدا ہے، انسان کو اور دُنیا کو بنانے والا خدا ہے اور رزق دینے والا، موت و زندگی دینے والا خدا ہے، خدا سے محبت کرنا چاہیئے کیونکہ اسی نے سب کچھ دیا ہے اور اسی سے ڈرنا چاہیئے کیونکہ غلطی پر وہ پکڑ سکتا ہے پھر اس کے ساتھ ساتھ والدین اور بڑوں کی عزت اور ان کی اطاعت کا جذبہ پیدا کرنا چاہیئے۔

اچھا بننے کی تشویق

ان بنیادی باتوں کے بعد اچھا بننے کا شوق اور بُرا بننے سے نفرت پیدا کرنا چاہیئے اور اس سلسلہ میں اچھے لوگوں کے قصے اور ان کے اچھے ہونے کی وجہ سے

www.abulhasanalinadwi.org

ان کی محبوبیت اور عزت کا تذکرہ کرنا چاہیئے اور بُرے لوگوں کی مبغوضیت اور رُسوائی کے واقعات بتانا چاہیئے۔ چونکہ انسان کی فطرت میں پسندیدہ کی نقل اور ناپسندیدہ سے گریز کا جذبہ ہوتا ہے اس لئے یہ واقعات اس کی تربیت و تشکیل میں بہت کارآمد ہیں اس ضمن میں سچ بولنے کی خوبی اور اس کے واقعات جھوٹ سے نفرت اور جھوٹ کے نتائج بد بتانا چاہیئے۔ ظلم سے نفرت، بڑوں کا ادب و احترام، چھوٹوں پر شفقت یہ سب وہ باتیں ہیں جو قصوں، چٹکلوں اور لطیفوں میں بتائی اور سکھائی جاسکتی ہیں اور چھوٹی عمر میں یہ باتیں اگر دل میں اُتر جائیں تو ان کا نقش زندگی بھر باقی رہتا ہے۔ انبیاء اور بزرگوں کے واقعات اس چھوٹی عمر میں بہت سی باتوں کی نمائندگی کر لیتے ہیں اور اچھی باتیں قصے اور واقعات کی شکل میں بڑی نفسیاتی تاثیر رکھتی ہیں۔

تربیت دینے والوں کی زندگی

ماں باپ اور گھریلو زندگی میں تربیت و رہنمائی کا مقام رکھنے والے بڑوں کے لیے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ خود ان کی عملی زندگی ان باتوں کے برعکس نہ ہو جن کی وہ تلقین کر رہے ہیں یا جن کی وہ تلقین کرنا چاہتے ہیں، ورنہ بچہ باوجود محدود ذہنی صلاحیت کے اس تضاد کو محسوس کر سکتا ہے اور اس کے نتیجہ میں اس کی تربیت کی بیشک تمنائیں پوری نہیں ہو سکیں گی۔

معلومات عامہ

بچہ کچھ بڑا ہو جائے اور اس کے ذہن کی محدودیت کم ہونے لگے تو اس کو زندگی کی دیگر اچھا بنانے والی باتوں کی طرف بھی متوجہ کرنا چاہیئے اور اس ضمن میں

www.abulhasanalinadwi.org

انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والی معلومات بتانا چاہیئے۔ یہ معلومات عامہ جغرافیہ، تاریخ اور دیگر ضروری معلومات عامہ پر مشتمل ہوسکتی ہیں۔ ان معلومات سے بچہ کے لئے علمی تربیت کی راہ بھی ہموار ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اسکی قدروں اور بلند تصورات کو پختہ کرنے میں بھی معاون ثابت ہوتی ہیں، خدا کی قدرت و عظمت پر ایمان بڑھتا اور پختہ ہوتا ہے۔

ملنے جلنے کے آداب و دیگر امور

بچہ جب گھر کے باہر کے ماحول سے واقف اور وابستہ ہونے لگتا ہے تو اس وقت اس کو یہ بتائے جانے کی ضرورت ہے کہ دوسروں سے ملنے اور معاملہ کرنے کے کیا آداب ہوتے ہیں۔ عزیزوں، پڑوسیوں، مہمانوں، دوستوں، بڑوں، چھوٹوں غرضیکہ اجتماعی زندگی میں آنے والے مختلف اقسام کے معاملہ میں آدمی کو کیا طریقہ و آداب اختیار کرنا چاہیئے۔ یہ سب بتانا گھر کے اندر کی تربیت کا ضروری فرض ہے۔

اس مرحلہ میں زبان و ثقافت عامہ کی ضروری باتیں بھی بتانا چاہیئے لیکن ان تمام امور میں بچہ کے محدود ذہن اور اس کے عقائد و تصورات سے مناسبت رکھنے کا لحاظ ضروری ہے۔

لڑکا جب مدرسہ جانے کے قابل ہوجائے اور اس کے سیکھنے اور تربیت پانے کے ذرائع گھر سے وسیع ہوکر عام معاشرہ تک وسیع ہوجائیں تو بھی گھر کی تربیتی ذمہ داری ختم نہیں ہوتی بلکہ وہ باہر کے ذرائع کے ساتھ ساتھ قائم رہتی ہے۔ گھر کا کام اس مرحلہ میں بھی برابر نگرانی اور خیال رکھنے کا رہتا ہے۔

قرآن و حدیث سے وابستگی

قرآن مجید جو انسانی تربیت کی سب سے وسیع اور جامع کتاب ہے اور حدیث شریف

www.abulhasanalinadwi.org

جو قرآن مجید ہی کی تشریح و توسیع ہے مستقل تربیت گاہ کی حیثیت رکھتی ہیں، اسلئے گھر کا ماحول ہو یا مدرسہ کا یا معاشرہ کے کسی دیگر تربیتی وسیلہ کا، لڑکے اور بڑوں دونوں کے لئے یہ بہت مفید اور ضروری ہے کہ اس کا ربط اس وسیع اور جامع ذریعۂ تربیت سے قائم کر دیا جائے۔ اس کی تلاوت اور اس کو سمجھنے اور اثر لینے کی صلاحیت پیدا کر دی جائے تو زندگی بھر خود بخود تربیت حاصل کرنے کا سلسلہ قائم ہو جاتا ہے اور یہ بھی گھر کی تربیت کی بنیادی ذمہ داری ہے اس کی اساس بھی وہیں قائم کی جانا چاہیئے۔

گھر سے تعلق کا تسلسل

گھر کی تربیت کا کام یہ بھی ہے کہ بچہ کی تربیت اس طرح کی جائے کہ وہ بعد میں بھی اپنے گھر سے کسی حد تک وابستگی رکھے اور اپنی رہنمائی کے لئے وہاں سے اشارے حاصل کرتا رہے اس طرح پر ابتدا سے اختتام تک ایک مرکز تربیت سے اس کی وابستگی برابر قائم رہ سکتی ہے۔ اور یہ بات اس میں ذہنی اور ثقافتی اور ذوقی یک جہتی پیدا کرنے میں بڑی معاون ہے۔

---

www.abulhasanalinadwi.org

مدرسہ کی تعلیم و تربیت

کتابی تعلیم کی ابتدار

گھریلو تربیت بچّہ کے ابتدائی تین چار برس تک اس کا تنہا تربیتی نظام ہوتا ہے جس سے بچّہ اثر لیتا اور سیکھتا ہے لیکن چار سال کی عمر کے بعد گھریلو تربیت کا نظام تنہا نظام نہیں رہ جاتا بلکہ عموماً اس کے ساتھ مدرسہ کے نظام کا عمل دخل بھی شروع ہو جاتا ہے اور وہ اس طرح کہ گھر والے بچّہ کو کتابی تعلیم کی شروعات کرا دیتے ہیں، اور اس کو کسی مدرسہ یا اُستاد کے سپرد کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

مذہبی تعلیم

مذہبی معاشروں میں مذہبی علم سے ابتدار کی جاتی رہی ہے اور مذہب کی بنیادی کتاب کی حرف شناسی سے آغاز کیا جاتا رہا ہے۔ مسلمانوں میں قرآن مجید کی حرف شناسی کی تعلیم ہی مدرسہ کی تعلیم کا آغاز بنتی رہی ہے۔ مذہب کے اثرات کی بتدریج کمی سے یہ طریقہ اب کمزور ہو گیا ہے۔ قرآن مجید کی حروف شناسی کے بعد قرآن مجید ناظرہ پڑھایا جاتا ہے۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ ایسے قصّے اور ایسے واقعات بچّہ کو بتائے یا پڑھائے جاتے ہیں جو مذہب کی تعلیمات اور رُوح سے ہم آہنگ

www.abulhasanalinadwi.org

ہوں، بچہ کی تعلیم کی یہ بنیادی منزل زبان و معلومات عامہ کی تعلیم کی ابتدائی منزل سے مل جاتی ہے اور پھر بچہ کی تعلیم اس عمومی تعلیم کی راہ پر چلنے لگتی ہے۔ مذہب کی تعلیم کا تسلسل و ترقی کا انحصار ماں باپ و سرپرستوں کے قصد و ارادہ پر منحصر ہوتا ہے۔

دیگر طریقہ

غیر مذہبی معاشرہ میں زبان کی تعلیم سے ابتدا ہوتی ہے اور اس میں حرف شناسی مقدم رکھی جاتی ہے پھر اس میں حساب اور ابتدائی معلومات کے مضامین حسب صلاحیت و گنجائش شامل کئے جاتے رہتے ہیں۔

مدرسہ کی ابتدائی تعلیم اگر گھریلو تربیت سے قریب اور مشابہ ہوتی ہے تو بچہ کو اجنبیت نہیں محسوس ہوتی وہ اس میں زندگی کا تنوع محسوس کرتا اور مانوس ہوتا ہے لیکن اگر مدرسہ کی تعلیم کے ساتھ سختی، خشکی اور بے حکمتی وابستہ ہو تو بچہ کو مدرسہ یا معلم مصیبت محسوس ہونے لگتے ہیں۔

تعلیم میں کان اور آنکھ کا کردار

تعلیم درحقیقت دو ذریعوں سے وابستہ ہے، ایک کان کا ذریعہ، دوسرے آنکھ کا ذریعہ، دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سن دیکھ کر تعلیم حاصل ہوتی ہے سننے کا مطلب یہ ہے کہ بچہ کو تلقین کی جائے اور اس کو نظری طور پر بتایا جائے۔ یہ طریقہ اگر تنہا ہو تو خشک ہوتا ہے اور انس نہیں پیدا ہوتا اس طرح تعلیم دینا گھر پر ہو یا مدرسہ میں دونوں جگہ اس میں انس پیدا کرنے کی صلاحیت بہت کم ملے گی۔

دوسرا طریقہ دیکھ کر سیکھنے کا ہے۔ یہ طریقہ زیادہ سودمند ہے اور بچہ بھی زیادہ تر اسی طریقہ سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ علم و معلومات کے بہت سے پہلو

www.abulhasanalinadwi.org

فوری طور پر مشاہدہ کے طریقہ سے نہیں بتائے جا سکتے ہیں اسی وجہ سے مجبوراً تلقین یعنی بتانے کا طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے لیکن مدرسہ میں اس کا ایک حل عملی تعلیم کا ہے کہ ایسی صورتیں اختیار کی جائیں جن سے بچہ کانوں کے ساتھ ساتھ اپنی آنکھوں سے بھی سیکھے۔ مدرسوں میں بلیک بورڈ کا انتظام اسی مقصد کا ایک اچھا ذریعہ ہے اور تجربہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو اسباق بلیک بورڈ پر پڑھائے جاتے ہیں ان کا اثر ان اسباق کے مقابلہ میں جو صرف تلقینی طور پر پڑھائے جاتے ہیں زیادہ گہرا ہوتا ہے

کان و آنکھ دونوں سے سیکھنے کا طریقہ صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں میں بھی یہ بات رکھی ہے۔ بندر دیکھ دیکھ کر پوری نقل اتار لیتا ہے اور اس کو دیکھ کر پوری نقل اُتارنے کا فطری شوق بھی ہے۔ لیکن اس کے برخلاف طوطے کو لیجیے اس کو پڑھایا رٹایا جائے تو وہ پڑھ رٹ لیتا ہے، جہاں اس نے جملہ سُنا اس کو سیکھ لینے کی کوشش کرتا ہے، بندر دیکھ کر نقل کرتے ہیں اور طوطا سُن کر نقل کرنے میں ضرب المثل بن گئے ہیں۔

بندر اور طوطے کے علاوہ دیگر جانوروں میں بھی کسی نہ کسی حد تک اس بات کی استعداد ہوتی ہے، مشق کرانے سے خاصی حد تک انسان کی نقل کرنا آجاتا ہے۔

انسان اور جانور

علم نفسیات کے بعض علماء جانوروں کو سدھانے اور سکھانے کو بھی تعلیم و تربیت ہی کا عمل قرار دیتے ہیں اور یہی نہیں بلکہ وہ جانوروں اور انسان دونوں کو ایک درجہ میں رکھتے ہیں اور صرف عقل کا فرق مانتے ہیں اس لئے انسان کو سمجھنے کے لئے وہ پہلے جانور کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جانور پر تجربے اور اس کے مزاج و جسم کی تحقیق کو انسان کے مزاج و جسم کو سمجھنے میں بنیاد قرار دیتے ہیں، لیکن یہ طریقہ کار

www.abulhasanalinadwi.org

نامذہبی ہے۔ مذہبی اہل علم اپنا طریقہ اس سے مختلف رکھتے ہیں، انسان اور جانور کی یکسانی اور باہم وابستگی کا ذہن مشہور یورپین فلسفی ڈارون سے بنا جس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ انسان کی اصل بندر ہے اسی سے اس کا نسلی ارتقاء ہوا ہے اور بندر کا ارتقار اپنے سے چھوٹے اور معمولی جانور سے اور اس طرح بات پانی کے معمولی کیڑے تک اور پھر اسی سے نیچے تک پہونچتی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

مدرسہ کی تعلیم کے اہم پہلو

مدرسہ کی تعلیم کے اثرات

مدرسہ کی تعلیم کا نظام جو بچہ کی چار پانچ سال کی عمر سے شروع ہوتا ہے، بلوغ کے بعد تک جاری رہتا ہے اور وہ بتدریج وسیع اور گہرا ہوتا جاتا ہے۔ یہ نظام گھر کے نظام سے مستغنی تو نہیں بناتا لیکن بتدریج گھر کے اثرات کے مقابلہ میں بہت زیادہ اثرات کا مالک بنتا چلا جاتا ہے، بڑی حد تک گھر سے مستغنی بنا دیتا ہے۔ اور ذہن و رجحانات کی تشکیل میں بہت اہم کام انجام دیتا ہے۔

مدرسہ کے نظام کے بنیادی عناصر

مدرسہ کے نظام میں ایک تو تعلیم دینے والے اور اس کا انتظام کرنے والے ہوتے ہیں، دوسرے مضامین و نظام تعلیم، اور تیسرے خود طلباء ہوتے ہیں جن کو تعلیم دی جاتی ہے۔ ان تینوں کی الگ الگ اہمیت ہے۔ انسان کے تعلیمی نظام پر مختلف ایسے دور آئے ہیں کہ

www.abulhasanalinadwi.org

تعلیمی نظام کے پہلوؤں میں سے کوئی ایک پہلو دیگر پہلوؤں کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت و اثر کا مالک بنا ہے، اور اس کا عمل دخل زیادہ رہا ہے۔

منتظم و معلّم

جہاں تک تعلیم کا انتظام اور تعلیم کی ذمہ داری انجام دینے والے کا معاملہ ہے یعنی منتظم اور معلم تو ان میں معلم کی تاریخ خاصی پرانی ہے اور اس کا اثر و طاقت بھی قدیم سے تسلیم شدہ چلی آرہی ہے۔ رہا منتظم تو وہ مدرسہ کے نظام کے ترقی کر جانے کی صورت میں وجود میں آیا ورنہ تنہا معلم ہی سارے کام کا ذمہ دار ہوتا تھا۔

منتظم اپنی اہمیت کے باوجود تعلیم و طلبار پر زیادہ اثر نہیں ڈال پاتا۔ اس کا کام صرف سہولت پیدا کرنا، نظم پیدا کرنا اور کام کو خاطر خواہ انجام دلوانے میں مدد دینا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس معلم بہت اثر و عمل دخل رکھتا ہے اور انسانی زندگی کی تاریخ میں زیادہ کام اسی کا رہا ہے۔ یہ معلم خواہ کسی بڑے مدرسہ کا ہو یا محلہ کے ایک چھوٹے گوشے کا ہو یا پرائیویٹ طریقہ سے تعلیم دینے والا ہو، یہ اپنے متعلم کے دل و دماغ میں بہت کچھ اتار دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

معلّم کی اہمیت

قدیم زمانوں میں جبکہ تعلیمی نظام وسیع نہیں ہوتا تھا، معلم ہی سب کچھ ہوتا تھا اس حقیقت کو سب اہل عقل مانتے اور سمجھتے تھے۔ تعلیمی نظام کے وسیع ہو جانے پر بھی معلم کے مقام و اہمیت کو کم نہیں سمجھا گیا چنانچہ پرانی درس گاہیں، خواہ انگلستان کے آکسفورڈ اور کیمبرج ہی کیوں نہ ہوں، استاد کو بہت اہم مقام دیتی ہیں، ان میں طالب علم کو جتنا اپنے استاد پر منحصر اور اس سے وابستہ رہنا پڑتا ہے یونیورسٹی کے

www.abulhasanalinadwi.org

انتظامی ذمہ داروں پر نہیں رہنا پڑتا۔ استاد ہی پڑھاتا ہے وہی نظر رکھتا ہے وہی استعداد کا اندازہ کرتا ہے، اور وہی پاس یا فیل کرتا ہے۔ یونیورسٹی کی انتظامیہ اسی کی رائے کے مطابق کارروائی و اندراج کرتی ہے۔

اسلامی تاریخ میں بھی، برابر معلم کو اصل اہمیت دی گئی ہے اور تعلیم کا انحصار اسی پر سمجھا گیا ہے۔

طالبِ علم اور موادِ تعلیم

تعلیم کی نوعیت خواہ کچھ بھی ہو اس کے دو ارکان بہت اہمیت رکھتے ہیں ایک تو طالبِ علم یعنی سیکھنے اور معلومات قبول کرنے والا اور دوسرے مواد تعلیم یعنی وہ معلومات جو اس کو سکھائی بتائی جا سکتی ہوں، جہاں تک طالب علم یا کچھ سیکھنے والے کا تعلق ہے تو وہ ہر ماحول میں اور کسی بھی ڈھنگ سے معلومات حاصل کرتا رہتا ہے اور خود اپنے مشاہدے اور سماعت سے معلومات حاصل کرتا رہتا ہے۔ اور اس طرح تعلیم کا یہ عمل خود بخود جاری رہتا ہے اس کے لئے باقاعدہ استاد یا مدرسہ کی ضرورت نہیں ہوتی ضرورت مند کو معلومات کسی نہ کسی ڈھنگ سے حاصل ہوتی رہتی ہیں۔

لیکن یہ صورت صرف قوی ذہن رکھنے والوں کے لیے کارآمد ہوتی ہے کمزور ذہن والوں کے لئے نہیں اور اس شکل میں کام لگے بندھے جامد راستہ پر ہوتا ہے اور حصول معلومات میں عمق و وسعت حاصل نہیں ہوتی۔ البتہ تعلیم کا باقاعدہ طریقہ ذہین اور کند ذہن دونوں کے لئے مفید ہوتا ہے اور اس کے لئے موزوں نظام و ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

موادِ تعلیم

مواد تعلیم کا مسئلہ متنوع اور اہم ہے وہ اگر محض معلم یا بتانے سکھانے والے کے ذوق و پسند کا تابع ہے تو اس کو سکھانے والا اپنے ذوق و عقیدہ و رُجحان کے مطابق اختیار کرتا ہے لیکن اگر علیحدہ سے انتظام ہے تو معلم کو بھی ایک حد تک پابندی کرنا ہوتی ہے اور اب جب سے تعلیم کے مسئلے کو حکومتوں نے اپنے دائرہ اختیار میں رکھنا شروع کر دیا ہے تعلیم جیسا نازک کام بھی حکومتوں کے رُجحانات و میلانات کا پابند ہو گیا ہے۔ حکومتیں اگر مذہبی رُجحانات کی ہیں تو مواد تعلیم میں اس کی چھاپ ملتی ہے۔ اور اگر سیکولر ہیں تو مواد تعلیم میں اس کی چھاپ ملتی ہے اور اگر آزاد اور بے مہار رجحانات کی ہیں تو تعلیم میں اس کے اثرات نمایاں ملتے ہیں۔

تعلیم ایک مسلسل عمل

تعلیم کے کام پر بڑا زمانہ ایسا گزرا ہے کہ تعلیم خاندانی اقدار و افکار کو قائم رکھنے اور ہنر اور پیشے سکھانے کا ذریعہ بنتی رہی ہے۔ اس طرح پر تعلیم ایک ایسے مسلسل عمل کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس کے ذریعہ قدیم کے ورثہ کو جدید تک منتقل کیا جاتا رہا ہے اور اقدار و صلاحیتوں کا تسلسل قائم رکھا گیا ہے اور اضافہ کیا جاتا رہا ہے۔

کتاب کی مرکزیت

مواد تعلیم کے سلسلے میں زیادہ تر اس متعینہ سرمایہ علمی کو اختیار کیا جاتا رہا ہے جو اسلاف سے منقول چلا آرہا تھا بلکہ بڑی حد تک کتاب کو مرکز بنایا گیا ہے۔ طالب علم کو اس کو سمجھنے اور اس کے دائرہ کے اندر محدود رہنے کا پابند رکھا گیا ہے۔ اس طریقہ

www.abulhasanalinadwi.org

میں طلباء کو ان کی ذہنی صلاحیتوں، تقاضوں اور کمزوریوں سے قطع نظر ایک مقررہ راستہ پر اور دماغی کاوش آمیز طریقہ کار پر کاربند ہونا پڑتا ہے۔ زوال کے زمانوں میں خاص طور پر تعلیم کے ذمہ دار متعینہ کتابوں اور نصاب کے پابند ہو کر رہ گئے تھے اور کوئی فرق و اضافہ کرنے سے نہ صرف یہ کہ قاصر رہتے بلکہ کوئی تغیر کرنا غلطی سمجھتے تھے، اور اس طرح ہر طالب علم کو صرف لگے بندھے اور بعض وقت دُور از کار نصاب کی تعلیم حاصل کرنا پڑتی تھی۔

یہ صحیح ہے کہ مذہبی تعلیمات میں اور ان اقدار میں، جو قدیم سے پختہ طور پر چلی آرہی ہیں، تبدیلی صحیح نہیں ہے لیکن جو معاملات نہ مذہبی تعلیمات میں آتے ہیں اور نہ پختہ و مقدس اقدار میں آتے ہیں بلکہ ان کی حیثیت، طریقہ کار یا وسائل کی ہے ان میں جمود غیر ضروری بات ہے۔

ایسے جمود میں طالب علم کی نفسیات، اس کی مجبوریاں اور جائز تقاضے سب نظر انداز ہو جاتے ہیں اور بہت سے موقعوں پر جبر و ناپسندیدگی کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایسی تعلیم دلچسپ اور پسندیدہ ہونے کے بجائے بعض وقت کڑوی دوا کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔

مرکزیت کتاب کے فوائد و مضرات

تعلیم میں کتاب کو مرکزیت دینے کا فائدہ یہ بتایا جاتا ہے کہ اس سے دماغی انضباط پیدا ہوتا ہے اور تربیت ذہنی میں مدد ملتی ہے۔ طالب علم کو متن کے حل کرنے میں محنت کرنا پڑتی ہے اور ترکیز ذہنی اختیار کرنا پڑتا ہے اس سے دماغ کو ترکیز و تدقیق کی مشق حاصل ہوتی ہے جو مشکل متنوں کو حل کرنے میں معاون ہوتی ہے۔ کتابی طریقہ کا یہ فائدہ ناقابلِ انکار ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی مضرت سے بھی انکار کی گنجائش نہیں کہ دماغ پر یہ طریقہ زیادہ بوجھ بنتا ہے اور کمزور ذہن کا طالب علم اس کی برداشت نہیں رکھتا۔ نیز خشک اور غیر دلچسپ ہونے کے باعث تعلیم سے برگشتہ بنا دینے کی صلاحیت

www.abulhasanalinadwi.org

بھی رکھتا ہے۔

نصاب وکتاب ذریعہ ہے

نصاب وکتاب چونکہ حصول علم کا صرف ذریعہ ہے اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ اس کے ساتھ معاملہ وسیلہ و ذریعہ ہی کا کرنا چاہیئے۔ اس کو مقصد کا درجہ دے دینا نہ صرف یہ کہ غلط ہے بلکہ مضر بھی ہے مسلمانوں نے اپنے عہد ترقی میں نصاب وکتاب کو وسیلہ وذریعہ ہی سمجھا ہے اسی لئے ان کو دوسری قوموں کے سامنے برتری حاصل رہی اور دوسری قوموں نے ان کو استاد بنایا اور ان سے سیکھا لیکن جب مسلمانوں پر زوال کے اثرات شروع ہوئے تو تعلیم کے میدان میں جمود اور دور از کار طریقوں کا عمل دخل شروع ہوا۔ ماہرین تعلیم و تمدن نے اس پر کھلے عام تنقید کی ہے۔ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں جو لکھا ہے وہ اس کی بڑی دلیل ہے۔

یورپ کا طرزِ عمل

اٹھارھویں صدی عیسوی کے یورپ میں جبکہ وہاں تمدن وعروج کے بعد کی آمد آمد تھی، مذہب اور حکومت میں مخصوص افراد کی اجارہ داری اور آمریت کے خلاف بغاوت ہوئی اور اس نے انتقامی جذبہ کی صورت اختیار کرلی اور دونوں سے وابستہ نظریات وخیالات کو پوری طرح ختم کر دینے کا جذبہ پیدا ہوگیا۔ نظام تعلیم کو جس کو مذہب کی سرپرستی حاصل تھی یکسر بدل دیا گیا۔ اس نظام کے تحت کتاب واستاد کو جو اہمیت اور مرکزی حیثیت حاصل تھی نئے عہد نے وہ اہمیت طالب علم کو دے دی اور اس طور پر بجائے مضامین اور استاد کے اصل مقام طالب علم کو حاصل ہوگیا اور باقی پہلو اب اسی کے گرد گردش کرنے لگے۔

www.abulhasanalinadwi.org

فرد کی آزادی

یہ نقطۂ نظر فرد کی آزادی سے شروع ہوا تھا اور اس کا مفکر و داعی روسو نامی مفکر تھا جس نے اس نظریہ کا پرچار کیا جس سے ایک نئی فکر کا آغاز ہوا اور اس کے نتیجہ میں فرانس میں انقلاب آیا اور بادشاہت سے جمہوریت میں تبدیلی ہوئی۔ یہ یورپ میں پہلا جمہوری نظام تھا۔ فرد کی آزادی کے اس نظریہ نے زندگی کے دوسرے شعبوں پر بھی اثر ڈالا چنانچہ سیاست، اقتصادیات، تعلیم سب پر اثر پڑا اور اس نظریہ کو پھیلنے اور بڑھنے کا موقع ملا۔

تعلیم پر اثر

نظام تعلیم میں استاد و مواد تعلیم کو جو اہمیت حاصل تھی اس نظریہ نے اس کو بے اثر کرنا شروع کیا اور بچہ میں حرکت و عمل اور جذبۂ حریت کا جو قدرتی میلان پایا جاتا ہے اس کو کلیدی مقام عطا کیا۔ تعلیم میں اس نقطۂ نظر کا اصول یہ ہے کہ بچہ کو کامل آزادیٔ عمل حاصل ہو البتہ اس شرط کے ساتھ کہ کسی ایک فرد کی آزادیٔ عمل سے دوسروں کی آزادی میں خلل پیدا نہ ہو، اس طریقہ تعلیم میں معلم کی حیثیت ایک نگراں و مشاہد کی رہ جاتی ہے وہ طالب علم پر نگاہ رکھتا ہے اور اپنے فرائض کو پیش نظر رکھتا ہے جس میں بچہ کی ہمت افزائی کرنا ہوتی ہے اور اس کے رجحان کے مطابق چلنے کا بندوبست رکھنا ہوتا ہے اور جس مرحلہ میں وہ مدد کا محتاج ہو، مدد کرنا ہوتا ہے۔ معلم موجود رہتا ہے لیکن اس کے کام کا انحصار بچہ کی پسند اور ضرورت پر ہوتا ہے۔[1]

---

[1] سلامت اللہ

www.abulhasanalinadwi.org

تعلیم پر علم النفس کا اثر

تعلیم کا یہ نظریہ دراصل علم النفس کے مطالعہ سے وجود میں آیا۔

علم النفس کے تجربات خاص طور پر "فرائڈ" نے کیئے۔ اس نے بعض ایسے نظریات بھی قائم کیئے جنھوں نے پرانے خیالات ونظریات کو تہ وبالا کر دیا اور آہستہ آہستہ انسانی تربیت کے موضوع میں علم النفس کا موضوع بھی داخل ہوگیا۔ علم النفس کی وسعت انسانوں سے آگے بڑھ کر جانوروں تک پہونچی اور مخلوق خدا کی جن اصناف سے مشابہت محسوس کی گئی ان پر علم النفس کی تطبیق کی کوشش کی گئی۔ اس سلسلے میں بچہ کی نفسیات کا اس کی مختلف عمروں کے مطابق لحاظ کرنے کا مطالبہ کیا گیا اور ایک بچہ کا دوسرے بچہ سے جو اختلاف وفرق ہوسکتا ہے، تعلیم میں اس کا لحاظ رکھنے کو ضروری قرار دیا گیا۔

بچہ کی صلاحیتوں کا لحاظ

روسو نے بچے کی انفرادیت پر جو زور دیا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ اپنی تمام قابلیتوں اور خامیوں کے ساتھ بچہ بہرحال قابل احترام ہے۔ تعلیم دیتے وقت بچہ کی تمام صلاحیتوں اور خامیوں کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ لہٰذا تمام بچوں کے ساتھ یکساں برتاؤ ممکن نہیں۔ بچہ کی انفرادیت کا احترام مطالبہ کرتا ہے کہ اس کو وہی چیز سکھائی جانی چاہیئے جسے وہ سیکھنے کے قابل ہو اور یہ کہ کوئی چیز اس پر مسلط نہیں کرنا چاہیئے۔[1]

---

[1] سلامت اللہ

www.abulhasanalinadwi.org

بچّہ بچّہ کا فرق

اور یہ بات اس لیے کہی گئی کہ مختلف بچّے جو بیک وقت ایک مخصوص ماحول میں حصول تعلیم و تربیت کے لئے اکٹھا ہوئے ہوں تو ضروری ہے کہ تعلیم کے اصناف اور ان سے اپنی دل چسپی اور عدم دل چسپی کے معاملہ میں ایک دوسرے سے علیٰحدہ ذوق و رجحان رکھتے ہوں۔ اگر ان کے ساتھ یکساں معاملہ کیا جائے گا تو کسی کے ساتھ تو ٹھیک ہوگا لیکن دوسرے کے ساتھ سختی و جبر بن جائے گا۔

---

www.abulhasanalinadwi.org

مُروّجہ نظریاتِ تعلیم

طفل مرکوز نظامِ تعلیم

روسو نے نظامِ تعلیم میں ایک بچہ کے دوسرے بچّہ سے فرق کو ملحوظ رکھنے کا جو نظریہ پیش کیا اس سے یورپ کے نظام ہائے تعلیم میں بالکل مختلف رُخ پیدا ہوگیا یہ درحقیقت کتاب مرکوز تعلیم کے خلاف ایک قسم کی بغاوت تھی[1] اس بغاوت نے مغربی تمدن کے ماتحت جاری ہونے والے نظاموں پر گہرا اثر ڈالا اور طفل مرکوز تعلیم کو رواج دیا۔

پستالوزی کا طریقہ

روسو جس کا زمانہ ۱۷۱۲ء سے ۱۷۷۸ء کے درمیان تھا اس کے مقصلاً بعد کے زمانہ میں اس کے ماننے والوں میں سے پستالوزی نے بچّوں کی تعلیم کو اپنا خصوصی موضوع بنایا اس نے روسو کے نظریات کو عملی طور پر پھیلانے اور وسیع کرنے کی کوشش کی لیکن بطور مزید یہ نظریہ اختیار کیا کہ تعلیم میں محض ایک بچّہ کا دوسرے بچّہ سے صلاحیت و قوت اخذ ہی کا فرق ملحوظ نہ رکھا جائے اور اس پر زور دیا کہ تعلیم ہر بچّہ کا

---

[1] سلامت اللہ

www.abulhasanalinadwi.org

حق ہے۔ چنانچہ تعلیم میں اس نے مختلف طبقات کے مصالح کو پیش نظر رکھا، بُننا اور کاتنا اور امور خانہ داری کو بھی تعلیم کا موضوع بنایا تاکہ سماج کے تمام طبقات کو ان کی ضرورت اور حالات کے مطابق تعلیمی مقصد حاصل ہو۔

ماحول سے استفادہ

پستالوزی کے نزدیک بچہ کے لئے اس کے ماحول سے براہ راست معلومات اخذ کرنے کا انتظام کرنا چاہیے۔ کتابوں کے وسیلہ پر اس کو چھوڑنا نہیں چاہیئے۔ چنانچہ اس نے اسباق الاشیاء کا طریقہ رائج کیا جس میں اشیاء کے مشاہدہ سے تعلیم دی جاتی ہے اور اس طرح بچوں کو اشیاء کے اصل مشاہدہ کی طرف راغب کیا جاتا ہے[1]

فروبیل کا طریقہ

پستالوزی کے بعد فروبیل نے اس تحریک میں اضافہ کیا اس نے اپنی کوششوں میں اس بات پر خاص طور پر زور دیا کہ بچوں کے زیادہ بچپنے کا زمانہ زیادہ اہمیت کا مالک ہے۔ اس زمانہ سے ہی تعلیم کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے، وہ کہتا ہے کہ اگر اسکول کی پوری تعلیم کی اصلاح نہ ہو تو کوئی بھی ٹھوس اور خاطر خواہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

نرسری کی تعلیم

نرسری کی تعلیم کی طرف توجہ اسی کے یہاں زیادہ ملتی ہے۔ کنڈر گارڈن یعنی بچوں کا باغ اسی نے نام رکھا۔ اس نے چھوٹے بچوں کے مزاج و مذاق کا لحاظ رکھتے ہوئے

---

[1] سلامت اللہ

www.abulhasanalinadwi.org

ان کی تعلیم میں ناٹک، کھیل، گیت اور ایسے مشاغل داخل کئے جن میں بہت چھوٹے بچوں کو اظہار ذات کا موقع ملتا ہے۔

اس طور پر پستالوزی کے بعد فروبیل، روسو کے شروع کئے ہوئے تعلیمی نظریات کا صاحب فکر قائد شمار کیا گیا اور یورپ کے نظام تعلیم میں اس کے نظریہ کو داخل و رائج کیا گیا۔

مون ٹیسری کا طریقہ

فروبیل کے نظریہ کو توسیع اٹلی کی ایک خاتون ڈاکٹر مون ٹیسری نے دی جس کا زمانہ بیسویں صدی کے وسط تک کا ہے۔ اس نے بحیثیت طبیب کے سات سال تک بچوں کا علاج اور ان کی نفسیات کو سمجھنے کا اچھا تجربہ کیا۔ وہ ان کی مشکلات اور احساسات کو زیادہ سمجھتی تھی، اس نے اپنے مطالعہ کے نتیجہ میں یہ نظریہ پیش کیا کہ بچہ کو بلا روک ٹوک وہ چیز اور اس طرح سکھانی چاہیئے جو اور جس طرح وہ سیکھنا چاہے۔ مون ٹیسری اس کو خود ساختہ تعلیم کے نام سے موسوم کرتی ہے۔ اس کے یہاں بچہ اپنی تعلیم کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ دوران تعلیم کسی بھی بیرونی مداخلت کی اجازت نہیں دی جاتی۔

مون ٹیسری کے نظریہ کو مختلف جگہوں پر اختیار کیا گیا اور مون ٹیسری اسکول قائم کیے گئے اور اس نظریہ کو جاری کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس وقت بھی چھوٹے بچوں کے لئے مون ٹیسری طرز کی اور کنڈر گارٹن کے طرز کی درس گاہیں مختلف جگہوں پر قائم ہیں

طفل مرکوز تعلیم کی کمزوریاں

لیکن طفل مرکوز تعلیم جس میں مون ٹیسری اور اس سے قبل کے اہل نظر کی عقلی کاوشیں شامل ہیں، مشکلات اور نقائص کا مکمل حل نہیں پیش کر سکی ہے۔ طفل مرکوز

www.abulhasanalinadwi.org

تعلیم کی تعریف میں تین کلیدی باتیں شامل ہیں :۔

ایک تو یہ کہ دیکھا جائے کہ بچہ کی کیا ضرورتیں ہیں جن کو پورا کرنا اور ان کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

دوسرے یہ کہ بچہ کی دلچسپیاں کیا ہیں، کن باتوں کی طرف وہ راغب ہوتا ہے، کیا پسند کرتا ہے، کس بات میں اس کا جی زیادہ لگتا ہے۔

تیسرے یہ کہ اس کی انفرادیت کو سمجھا جائے کہ وہ دوسرے بچہ کے مقابلہ میں ذہنی یا معاشرتی فرق کیا رکھتا ہے، زندگی کے کون سے پہلو اس کے اصل پہلو ہیں، کس ماحول اور اشیاء سے اس کا تعلق ہے۔

جہاں تک ضروریات کا تعلق ہے ان کو سمجھنا اور طے کرنا یہ مستقل مسئلہ ہے یہ کون طے کرسکتا ہے اور کون اس کا تعین کرسکتا ہے۔

دلچسپیوں کا معاملہ یہ ہے کہ بچہ کی دلچسپیاں قابل اعتماد کیسے تسلیم کی جاسکتی ہیں بچہ اپنے لئے یا اپنے معاشرہ کے لئے جو بات مفید یا مضر ہے کیسے تمیز کرسکتا ہے۔ اس کی پسند عقل اور فائدہ کی پابند کب ہوسکتی ہے اسلئے اس کی مطلق دلچسپیوں پر اس کو چھوڑ دینا اس کی صحیح تعمیر و تربیت کے مطابق کیسے ہوسکتا ہے اس کی خواہشات پر کسی کا کنٹرول نہ ہو، یہ تعمیر کے بجائے تخریب کی طرف لے جانے والی بات ہے۔

اور جہاں تک اس کی انفرادیت کا تعلق ہے اس کا لحاظ کرنے میں طبقاتی اختلاف زیادہ وسیع ہونے کا امکان ہے اور سماج کی وحدت اس طریقہ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی [1]

غالباً یہی وہ موانع اور وجوہ ہیں جن کی بنا پر فروبیل اور مونٹیسری نظریات کو

---

[1] سلامت اللہ

www.abulhasanalinadwi.org

کلی رواج مغربی ملکوں میں بھی نہیں مل سکا اور لوگوں نے اپنے تجربات اور احتیاطوں کے ساتھ طفل مرکوز تعلیم کو اختیار کرنے کی کوشش کی۔

ڈالٹن کا منصوبہ

مون ٹیسری کے اثر سے جو نئے تجربات سامنے آئے ان میں ایک ڈالٹن پلان بھی ہے۔ یہ بڑی عمر کے طلبار کے لئے مخصوص ہے اس کا نفاذ ان طلبار پر کیا جاتا ہے جو لکھنے پڑھنے کی ضروری مہارتوں کو حاصل کر چکے ہوتے ہیں اور وہ ان مہارتوں کی بدولت اپنے طور پر کام کر سکتے ہیں[1]

دراصل اس پلان میں اہم چیز یہ ہے کہ طالب علم کو اپنی تعلیم کا خود ذمہ دار بنایا جائے وہ مدرس سے بلا روک ٹوک سوالات پوچھ سکتا ہو متعلقہ موضوع پر بات چیت کر سکتا ہو اور اپنی مرضی کے مطابق ادھر ادھر آجا سکتا ہو۔ اس کے معاملہ میں مدرس کے فرائض یہ ہوتے ہیں کہ اپنے کمرے کو ضروری ساز و سامان سے لیس رکھے۔ مفوضہ کام کی وضاحت و تشریح کرے۔ موضوع کے متعلق جو مناسب طریقہ ہے اس سے باخبر کرے۔ کسی مخصوص مسئلہ کے حل کے سلسلے میں مشورہ دے دے اور کوئی دقیق نکتہ آئے اس کی پوری تشریح کرے۔ ڈالٹن پلان چونکہ بڑے طلبار کے لئے ہے جو کہ ضروری مہارتوں کو حاصل کر چکے ہوتے ہیں اس لئے اس پر اس طرح کے اعتراضات تو نہیں کئے جا سکتے جو چھوٹے بچوں کے تعلیمی نظریات کے سلسلے میں کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ڈالٹن پلان میں جو غیر معمولی آزادی طلبار کو دی جاتی ہے اس سے سماج کی یکسانی اور یک جہتی کو باقی رکھنے میں رکاوٹ پیدا ہونے کی دشواری محسوس کی جا سکتی ہے[2]

---

[1] و [2] سلامت اللہ

www.abulhasanalinadwi.org

نصاب ومضامینِ نصاب

نصاب کے مُطابق نتائج

نصاب تعلیم وتربیت کا تعلیم وتربیت کے مقصد سے گہرا تعلق ہے۔ جیسا نصاب ہوتا ہے ویسے ہی نتائج سامنے آتے ہیں اور نسلیں اسی کے مطابق تیار ہوتی ہیں۔ نصاب کا تعلق نتائجِ تربیت سے اتنا گہرا ہے کہ نتائج کو دیکھ کر نصاب سمجھا جا سکتا ہے اور نصاب کو دیکھ کر نتائج کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

نصاب قدروں اور امنگوں کے مطابق

معاشرے میں تربیت وتعلیم کی طرف توجہ کرنے والے لوگ ایسے نصاب کو پسند کرتے ہیں جو ان کے معاشرے میں رائج قدروں اور امنگوں کا آئینہ دار ہو وہ نئی نسل کی ترقی وبہبود کے لئے اسی نصاب کو اختیار کرنا چاہتے ہیں لیکن قدروں اور امنگوں کو پورا کرنے والے اس نصاب کی تشکیل وتعیین سماج کی مشکلات اور امکانات کو صحیح سمجھنے پر منحصر ہوتی ہے۔ اگر نصاب تجویز کرنے والے ان مشکلات اور امکانات کا صحیح اندازہ نہیں لگا پاتے تو وہ ضرورت کے مطابق نصاب کا تعین بھی نہیں کر پاتے۔

www.abulhasanalinadwi.org

قدیم زمانہ میں نصاب کا مسئلہ سادہ تھا

قدیم عہد میں مشکلات و امکانات زیادہ پیچیدہ اور وسیع نہ تھے اس لئے اس وقت ان کا اندازہ کرنا بھی دشوار نہ تھا زندگی عام طور پر سادہ اور خاندانی دائروں تک محدود ہوتی تھی۔ آدمی کو اپنے خاندانی اصل ماحول سے نکلنے کا موقع بہت کم ملتا تھا۔ لہٰذا وہ صرف اپنے خاندان اور محدود سماج کی قدروں، اس کی مشکلات اور امکانات تک محدود رہتا تھا اور اس بنیاد پر اس کی تربیت کا ایک بڑا حصہ اس کے خاندان و سماج کے محدود عملی میدان میں عملی طور پر انجام پاجاتا تھا، اور کم سے کم ہنر سیکھنے کے لئے اس کو تعلیم و تربیت کے کسی خاص انتظام یا نصاب کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ تربیت کا یہ حصہ انجام پاجانے کی صورت میں پڑھنے لکھنے کا تعلیمی حصہ مختصر اور کم ضرورت کا رہ جاتا تھا اور اس کو حاصل کرنے والے اس کو صرف زبان و ادب کے دائرہ تک محدود رکھتے ہوئے حاصل کرتے تھے۔

زبان و ادب و مذہبیات

تعلیم کے اس حصہ میں زبان و ادب کے علاوہ اخلاقی و دینی تعلیم کا جزء بھی ہوتا تھا وہ مذہبی صحیفہ اور اس کے متعلقہ مذہبی و اخلاقی تعلیمات رکھنے والی بعض کتابوں تک محدود رہتا تھا۔

اس طرح پر کتابی تعلیم زبان و ادب اور مذہب و اخلاق پر مشتمل ہوتی تھی۔ قدیم عہد میں جب علم و تمدن آیا تو اس مذکورہ بالا حصہ کے ساتھ فلسفہ و حکمت کا اضافہ ہوا، اور اس کے نتیجہ میں طب کا علم بھی پیدا ہوا اور عملی زندگی کے بعض ناگزیر ضروریات سے تعلق رکھنے والے علوم بھی وجود میں آئے مثلاً علم ہندسہ (انجینیرنگ) اور ریاضی (حساب)

www.abulhasanalinadwi.org

لیکن کتابی تعلیم اس کے باوجود زیادہ متنوع نہیں بنی اور اس کے نصاب کے مسئلہ نے زیادہ پیچیدگی اختیار نہیں کی۔

سائنسی ترقیات کا نصاب پر اثر

لیکن یورپ میں سائنسی فتوحات کے نتیجہ میں جہاں زندگی کے طور وطریق بدلے وہاں نصاب ونظام تعلیم میں بھی انقلاب آیا۔

مذہبیات پر اثر

سائنس کی فتح نے وہاں کی مذہبی قدروں پر اثر ڈالا۔ سائنس اور مذہب کے درمیان کشمکش ہوئی اور اس نے مذہب کے اثرات کو بہت کم اور محدود کر دیا۔ لہذا جو قدریں مذہب کی بنیاد پر جاری تھیں ان کی طاقت تقریباً ختم ہوگئی۔ ان سب کے اثر سے انھوں نے جو نصاب تعلیم تیار کیا اس میں زبان و ادب کو تو حسب سابق باقی رکھا گیا لیکن مذہبی و اخلاقی و فکری اجزار میں سے مذہبی جزر کو ختم کر دیا اور اخلاقی جزر کو بھی کمزور بلکہ زندگی کے مادی تصور سے وابستہ کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ ایک باقاعدہ مزید جزر سائنسی علوم کا اختیار کیا گیا۔

نصابِ تعلیم کے تین اجزار

اس طور پر جدید نصاب تعلیم تین بڑے اجزار پر منقسم ہوا، ایک ادب و زبان، دوسرے اخلاقیات و سماجیات و فکری علوم اور تیسرے سائنسی علوم۔ جہاں تک پہلے جزر ادب و زبان کا تعلق ہے اس کے قدیم نصاب اور جدید نصاب میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں۔ اگر کچھ ملتی ہے تو صرف اپنے اپنے ذوق کے اثر کا فرق و اختلاف ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور جہاں تک تیسرے جز یعنی سائنسی علوم کا تعلق ہے تو وہ بذات خود عموماً نئی معلومات و انکشافات میں حقائق و تجربات پر مبنی ہیں اس لئے وہ باوجود جدید ہونے کے کوئی مضر چیز یا بری نہیں، اور نہ وہ سب کے لئے ضروری و لازمی ہیں جن کا اختصاص زندگی کے اس پہلو سے ہو ان کے لئے مناسب اور جن کا اختصاص و ضرورت اس پہلو سے نہ ہو ان کے لئے ضروری نہیں ہیں۔

اخلاقیات میں سے مذہب کی بے دخلی

لیکن جہاں تک دوسرے جز یعنی اخلاقیات اور سماجیات و فکری علوم کا تعلق ہے دراصل وہی جدید و قدیم نصاب تعلیم کے مابین اختلاف کا اصل میدان ہے اخلاقیات میں سے مذہب کی بے دخلی ایک خطرناک اقدام تھا جس کا آج کے نظام تعلیم کے نتائج میں تجربہ ہو رہا ہے۔ دراصل اخلاقیات انسانی زندگی میں صحیح رنگ اور نکھار پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں اور ان کا مذہب سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اگر ان دونوں کے مابین تفریق کی جاتی ہے تو ایک تو اخلاقیات اپنی اصل اور مضبوط بنیاد سے محروم ہو جاتی ہیں، دوسرے انسانی زندگی میں ان کا اصل کردار ختم ہو جاتا ہے اگر مذہب کی بنیاد ختم ہو جائے تو پھر آدمی سچ کیوں بولے۔ نازیبا حرکات سے کیوں باز رہے، ظلم و نفع اندوزی اور نفس پرستی سے کیوں گریز کرے، ان میں سے کسی بھی بُری بات سے گریز کا مؤثر محرک باقی نہیں رہتا۔ اگر کوئی محرک تلاش کیا جا سکتا ہے تو وہ صرف مادی نفع و ضرر ہے۔ اس لئے مذہب کو اخلاقیات سے بے دخل کرنے والے اخلاقیات کا رشتہ مادی مصالح سے جوڑتے ہیں۔ حالانکہ یہ تعلق بے جوڑ اور بے نتیجہ سا ہو جاتا ہے چنانچہ مغربی تمدن میں اخلاقیات صرف قانونی اور مادی دباؤ کے دائرے تک محدود رہتی ہیں بذات خود اپنی کوئی اساس نہیں رکھتی غالباً اسی پیچیدگی کی وجہ سے مغربی نظریات میں مزید

www.abulhasanalinadwi.org

یہ نظریہ پیدا ہوگیا ہے کہ اخلاقیات سرے سے کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتی ہیں۔ یہ صرف معروضات ہیں جہاں جیسی مصلحت ہو وہاں ان کو ویسا ہی ڈھال لیا جانا چاہیے۔ اس غیر انسانی نظریہ کا اصل فروغ کیونسٹ نظام تعلیم و تربیت میں ملتا ہے لیکن مذہب کے ماننے والے اور اس کے وفادار لوگوں کا ذہن و تجربہ مذکورہ بالا غیر اخلاقی نظریات کو تسلیم کرنے یا ان کو معقول سمجھنے کی کوئی معقول وجہ نہیں پاتا۔

چنانچہ قدیم و جدید کے نصاب تعلیم میں اصل معرکہ اسی اخلاقیات کے موضوع پر چلا اور اس کا سایہ دونوں کے اپنے نظام ہائے تعلیم پر پوری طرح پڑا۔

سماجی و انسانی علوم و معلومات

اخلاقیات و فکری علوم کے ساتھ سماجیات کا اضافہ کوئی بڑا اضافہ نہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے بھی تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ وہ قابل اختیار اضافہ ہے ——— الحکمۃ ضالۃ المومن فاین وجدھا فھو أحق بھا[1] ——— انسان کی سماجی ضرورت زمانہ کے فرق و تبدیلی کے ساتھ ساتھ بدلتی اور بڑھتی رہتی ہے اور موجودہ عہد میں دنیا کے ایک حصہ کے دوسرے حصے سے قریب آجانے اور انسانوں اور سماجوں کے مابین رشتے اور تعلقات بڑھ جانے کے باعث سماجی علوم و معلومات سے واقفیت از بس ضروری ہے۔ انسان کی عملی زندگی میں ان سے ناواقفیت ضرر رساں بھی ہے کیونکہ ضروریات زندگی کے بہت سے پہلو ان سے وابستہ ہیں۔ جغرافیہ ہے، تاریخ ہے، تمدن ہے، سیاسیات و اقتصادیات، علم النفس

---

[1] مناسب اور معقول بات مومن کی قابل طلب چیز ہے۔ جہاں ملتی ہو وہاں سے حاصل کرلینا اس کا زیادہ حق ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

ریاضی اور اصول صحت ہیں جن سے واقفیت اب ایک ضرورت بن چکی ہے، اس لئے ہمارے قدیم نصاب تعلیم کو جدید نصاب تعلیم کے اس حصہ کو قبول کرنا چاہیئے۔

یہ وہ حصہ ہے جس کے سلسلے میں ہمارے مذہبی مدارس دو گروہوں میں بٹے رہے ہیں۔ ان مدارس کو سماجی علوم کی اہمیت کی طرف ندوۃ العلماء کی تحریک نے سب سے پہلے توجہ دلائی اور اس کے لئے جد و جہد شروع کی۔ بالآخر اس صدی کی کئی دہائیوں کی کش مکش کے بعد مذہبی مدارس کی بڑی تعداد نے اس حصہ تعلیم کی ضرورت کو تسلیم کر لیا ہے اور اس کے نفاذ کے آثار شروع ہونے لگے ہیں۔

مدارسِ عربیہ کا نصاب

اس کو تسلیم کرنے کے بعد ہمارے مدارس کے نصاب تعلیم کے تین بڑے جزء بنتے ہیں، ایک تو ہماری ضرورت کے مطابق زبان و ادب کا جزء، دوسرے ہمارے مذہب و اخلاق کے مناسب حال مذہبی، اخلاقی علوم کا جزء، تیسرے زندگی کی ضرورت کے مطابق سماجی علوم۔ جہاں تک سائنسی علوم کا تعلق ہے وہ مذکورہ بالا اجزاء کی بنیادی ضرورت پوری کرنے کے ساتھ جتنا اور جن کو خواہش ہو اختیار کر سکتے ہیں۔ البتہ ان کے بارے میں مجمل اور عمومی معلومات کی حد تک جاننا ضروری ہے لہٰذا عام معلومات کے نام سے ضروری حد تک ہمارے نصاب میں ان کا شامل ہونا مناسب اور ضروری ہے۔ ہمارا نصاب تعلیم دراصل ان مذکورہ بالا بنیادوں پر قائم ہونے کی صورت میں ان مقاصد اور نتائج تک پہونچا جا سکتا ہے جو موجودہ وسیع اور متنوع حالات رکھنے والے عہد میں ہمارے انفرادی اور سماجی تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔

ان امور بالا کو تسلیم نہ کرنے یا ان کے ضروری حصوں کو نظر انداز کرنے کی صورت میں ہمارے افراد اور سماج کو انہی کے بقدر نقصان پہونچنے کا امکان ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

تعلیم کا مختلف انسانی پہلوؤں سے تعلق

تعلیم کے اثرات کم عمری میں

تعلیم کی جن شکلوں کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں کیا گیا ہے یہ عام طور پر نشو ونما کے زمانہ کی عمروں کے ساتھ وابستہ ہیں، جبکہ ایک نوعمر انسان میں سیکھنے پڑھنے اور علم حاصل کرنے کی صلاحیت فطری طور پر زیادہ ہوتی ہے اس کا ذہن اور حافظہ مدد کرتا ہے اور دماغ پڑھائی اور سکھائی جانے والی باتیں جلدی اخذ کرلیتا اور محفوظ کرلیتا ہے اس لئے تعلیمی نظام دراصل کم عمر انسانوں کے لئے چلائے جاتے ہیں ان کے لئے کسی نہ کسی حد تک کتابی نصاب تعلیم مقرر کیا جاتا ہے تاکہ اس کے سہارے تعلیمی کام معین طریقہ سے انجام پائے لیکن نوعمری کا زمانہ ختم ہونے کے بعد علم اور علمی معلومات کے اخذ کی صلاحیت زیادہ باقی نہیں رہتی اور آدمی اس طرح نہیں سیکھ اور پڑھ سکتا جیسا وہ نوعمری میں سیکھ اور پڑھ سکتا تھا۔

بڑی عمر والوں کی تعلیم

بعد کی عمر کے لئے سکھانے اور پڑھانے کے نظام میں آدمی کی اس کمزوری کو

www.abulhasanalinadwi.org

ملحوظ رکھا جاتا ہے اور اس کی صلاحیت کے مطابق طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔

سماجی تربیت کا اصل اور بنیادی میدان عموماً اسی طرح کے افراد ہوتے ہیں اور تعلیم و تربیت کا عمل تعلیم کے لگے بندھے نظاموں پر اور دوسرے طریقوں پر یکساں مشتمل ہوتا ہے۔ دوسرے طریقوں میں مدرسہ کے وسائل سے ہٹ کر دوسرے وسائل اختیار کرنے ہوتے ہیں وہ زیادہ عمومیت اور وسعت کے حامل ہوتے ہیں جن کا تذکرہ انشاء اللہ آئندہ صفحات میں آئے گا۔

ثقافت کا دائرہ کار

تربیت اور تعلیم کا مقصد انسان کو ثقافت و ہنر سکھانا ہوتا ہے۔ ثقافت انسانی واقفیت کا وہ سرمایہ ہے جو اس کی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے تعلق رکھتا ہے زندگی کے یہ پہلو انسان کے تین بڑے حصوں میں تقسیم ہیں ایک تو اس کے قلب و روح سے تعلق رکھنے والا جس میں آدمی کا اپنے خالق، رب اور کارساز حقیقی سے تعلق کا اظہار ہوتا ہے۔

دوسرا حصہ وہ ہے جو عقل و خرد سے وابستہ ہوتا ہے اور اسی سے انسان کو دیگر مخلوقات سے ممتاز کیا جاتا ہے اس میں زندگی کو منظم، مفید اور مشقف بنانے کے وسائل ملتے ہیں جن کے ذریعہ انسان کا جانوروں کے مقابلہ میں امتیاز ظاہر ہوتا ہے، تیسرا حصہ انسان کے جسم سے تعلق رکھتا ہے اس جسم کے بقاء، ترقی اور حفاظت کے مختلف گوشے اس پہلو سے وابستہ ہیں۔

قلب و روح کا پہلو

قلب و روح کے پہلو میں بھی انسان کا دیگر مخلوقات کے مقابلہ میں امتیاز پوشیدہ ہے اور اسلام کی تعلیمات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہی پہلو انسان کے باقی مخلوق کے مقابلہ

www.abulhasanalinadwi.org

وجہ پیدائش ہے۔ پروردگار نے انسان کو اس زمین پر اپنا خلیفہ بنایا ہے اور اس کو اس بات کا اہل سمجھتا ہے کہ وہ اس خلافت کو انجام دے سکتا ہے۔ یہ خلافت ظاہر ہے کہ نہ صرف جسم سے ہو سکتی ہے اور نہ محض عقل سے بلکہ اس کے لئے سب سے اہم صلاحیت قلب و روح کی ہے۔ جب انسان کا اپنے پروردگار سے ربط و تعلق ہوگا اور اس کے احکامات و مرضیات کو سمجھنے اور اس کو اپنے میں جذب کرنے کی صلاحیت ہوگی تب ہی وہ اس کی نیابت فی الارض کر سکتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے قبل فرشتوں سے پروردگار کا جو مکالمہ ہوا جس کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے وہ اس مذکورہ بات پر دلالت کرتا ہے نیز سورہ احزاب کی آیت جس میں امانت کا بار انسان پر ڈالنے کا تذکرہ ہے اس بات کی دلیل ہے اب یہ بات علیحدہ ہے کہ انسان اپنے پہلو کی رعایت نہ کرے اور قلب و روح کے جو صحیح تقاضے ہیں ان کو نہ تو سمجھے اور نہ ان کا لحاظ کرے۔ ایسی صورت میں قلب و روح کا پہلو نظر انداز ہو جاتا ہے اور اس سے وہ خرابیاں معاشرہ میں ظاہر ہوتی ہیں جن کا علاج بعض وقت انسانی عقل کے وسائل و ذرائع سے کرتا ہے لیکن صحیح ذریعہ اختیار نہ کرنے کی وجہ سے بہت سی سنگین خرابیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

عقل کا پہلو

عقل کے پہلو نے انسانی معاشرہ میں عام طور پر بڑی وسعت حاصل کر لی ہے اور چونکہ انسانی زندگی کو منظم اور دلکش بنانے نیز اس دنیا کی مادی دولتوں کے انکشاف کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے میں یہ انسانی ذریعہ بہت موثر اور کارآمد ہے، اس لئے انسان نے اس کی طرف بہت توجہ کی ہے عقل کا یہ ذریعہ انسان ہی کے فطری پہلوؤں میں کا ایک پہلو ہونے کے باعث انسان کے دیگر

www.abulhasanalinadwi.org

پہلوؤں کے ساتھ شریک و معاون بنتا ہے اور اگر محض تنہا استعمال کیا جائے تو دوسرے کے تعاون و فائدہ سے محروم رہتا ہے۔

انسان کے علم و ہنر کی ترقیات اسی عقلی ذریعہ کے استعمال کا نتیجہ ہیں اس طرح اس کے تمدن و ثقافت کی طویل تاریخ میں بھی اس کی کارفرمائیاں نمایاں ہیں۔

جسم کا پہلو

انسان کا تیسرا پہلو اس کے جسم سے تعلق رکھتا ہے جو کہ اسکے اول پہلو اور دوسرے پہلو کا میدان اور محل بھی ہے اور اس کے اشتراک سے ہی قلب و دماغ کے دونوں پہلو کام کرتے ہیں جسم کا پہلو ہی وہ پہلو ہے جو انسانی اور دیگر مخلوقات میں مشترک ہے اور اس کی مجرد خصوصیات میں انسان اور حیوان مساوی ہیں اگر انسان محض اسی پہلو پر اکتفا کرے تو اس کی اور حیوان کی عملی زندگی میں فرق دشوار ہے۔ اگر صرف جسم کے پہلو کو ہی مدنظر رکھا جائے تو وہ انسان میں اس طرح ہے جس طرح حیوان میں ہے اور اس کے بقاء و حفاظت کی ضرورت و صلاحیت جیسی انسان کے لئے ہے ویسی حیوان کے لئے بھی ہے اور نہ صرف یہی بلکہ اس کے بقاء و حفاظت و استفادہ و لذت کوشی کی بقدر ضرورت سمجھ صرف انسان ہی میں نہیں بلکہ جانور میں بھی فطرتاً ودیعت کی گئی ہے۔ اگرچہ جانور عقل والی سمجھ سے یکسر خالی ہے لیکن اس کو اپنی بھوک و پیاس کو دور کرنے اور اپنے جسم کی بقدر ضرورت حفاظت اور اس کی لذت کوشی عملی طریقہ پر فطرتاً معلوم ہو جاتا ہے اور وہ اس پر بخوبی عمل کر لیتا ہے۔ پرندے اپنی غذا درختوں کے پھل اور کھیتوں کے دانوں میں تلاش کر لیتے ہیں اور حسب ضرورت چگ لیتے ہیں۔ جانور زمین پر اگنے والے پودوں اور گھاس میں یا کمزور جانوروں کے گوشت میں تلاش کر لیتے اور حاصل کر لیتے ہیں۔ تالابوں اور دریاؤں کے پانی سے سب ذی حیات اپنی

www.abulhasanalinadwi.org

پیاس بجھا لیتے ہیں نیز جسم کے دیگر تقاضے اور مطالبے پورے کرنے کی صورتیں بھی جان لیتے ہیں، انسان ان کاموں کے لئے اپنی عقل کو استعمال کرتا ہے اور اس کام کو زیادہ نظم اور سلیقہ اور بہتری سے انجام دیتا ہے۔ اگر عقل نہیں استعمال کرتا تو کم از کم اتنا انجام دے لیتا ہے جتنا جانور انجام دیتے ہیں۔

مذاہب میں قلب کی اصلاح پر زور

دنیا کے تمام مذاہب نے خواہ باطل ہوں یا حق ہوں اس بات کی تاکید تعلیم دی ہے کہ انسانی زندگی کے اوّل پہلو یعنی قلب و روح کی غذا کے حصول اور قلب و روح کی مناسب تربیت کی طرف انسان کو سب سے پہلے توجہ کرنا چاہیئے۔ جہاں تک جسم کی طرف توجہ کرنے کا تعلق ہے تو انسان اور حیوان میں اس کی فطری صلاحیت ہونے کے باعث زیادہ توجہ کی محتاج نہیں وہ خود اپنی راہ بنا لیتی ہے چنانچہ بعض مذاہب نے قلب و روح کی غذا اور سنگی و ترقی پر اتنا زور دیا کہ جسم کا پہلو اس کے سامنے نہ محض بے توجہی کا شکار ہوا بلکہ اس کو نقصان پہونچا اور پھر اس کے ردعمل کے طور پر انسان نے اپنے موجودہ تمدن میں قلب و روح کے پہلو سے بغاوت کر دی اور مزید آگے بڑھ کر اس کی اہمیت و ضرورت سے ہی انکار کر دیا۔ موجودہ ملحدانہ تمدن کی بنیاد اسی بغاوت پر ہے اس لئے موجودہ تمدن میں جسم کے پہلو نے قلب و روح کے پہلو کی بھی جگہ لے لی ہے۔

اسلام کا نقطۂ نظر

اسلام نے انسان کے تینوں پہلوؤں کی طرف توجہ کی ہے قلب و رُوح کے پہلو کی اہمیت بنیادی بتائی ہے کیونکہ دیگر مخلوقات میں سے انسانی مخلوق

www.abulhasanalinadwi.org

کی وجہ پیدائش اسی پہلو سے وابستہ رکھی گئی ہے اس لئے انسان اگر اسی پہلو کو نظر انداز کرتا ہے تو گویا اپنے وجود کی ضرورت کے خلاف دلیل فراہم کرتا ہے۔

لیکن اس پہلو کی طرف توجہ دلانے کے ساتھ ساتھ اسلام نے عقل و جسم کے پہلوؤں کی ضرورت اور ان کی اہمیت کو نہ صرف تسلیم کیا ہے بلکہ ان کے حقوق کی ادائیگی کی تلقین کی ہے۔ فرمایا:——

إن لنفسك عليك حقا و إن لجسدك عليك حقاً [1]

بلکہ مزید یہ نظریہ عطا کیا ہے کہ اگر دیگر پہلوؤں کے تقاضوں کو اپنے خالق کی اجازت و تعمیلِ حکم کے جذبہ سے پورا کیا جائے تو وہ بھی انسانی زندگی کے پہلے پہلو یعنی قلب و روح کے حقوق ادا کرنے کے عین مطابق ہوگا، فرمایا گیا ہے کہ اگر اس نیت سے مرد اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ بھی رکھے تو وہ بھی ثواب کا کام بن جائے گا۔

موجودہ ملحدانہ تمدن کا نظریہ

لیکن موجودہ ملحدانہ تمدن نے چونکہ اسلام کے صحیح نقطہ نظر کا علم نہیں حاصل کیا ہے اس لئے اس نے غلط مذاہب کی نفس کشی کی تعلیم کے ردعمل میں نیز انسان کے اندر موجود جذبہ لذت کوشی کے دباؤ میں انسان کے قلب و روح کے پہلو سے بغاوت کر دی ہے اور انسان کی زندگی صرف دو پہلوؤں تک محدود کر دی ہے۔ ایک پہلو عقل، دوسرا پہلو جسم، چنانچہ اس کی موجودہ تمام تگ و دو انہی دو پہلوؤں کے ساتھ محدود ہو کر رہ گئی ہے۔

قلبی پہلو کی کمی اور اس کی تلافی

قلب و رُوح کے تقاضوں کو نظر انداز کر دینے سے زندگی میں جو دشواریاں

---

[1] بیشک تمہاری جان کا تم پر حق ہے اور تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور غلط پیدا ہو رہے ہیں ان کی تلافی موجودہ تمدن کا انسان عقل سے کرنا چاہتا ہے یہ خانہ پری غلط ہونے کے باعث کہیں تو ظاہری طور پر تھوڑی بہت معلوم ہوتی ہے اور کہیں مزید بہت سی دشواریاں پیدا کر دیتی ہے، لیکن موجودہ تمدن کے عقلاء صحیح علاج نہ جاننے یا اس کو جان بوجھ کر نظر انداز کر دینے کی وجہ سے نت نئی مشکلات میں پڑے رہتے ہیں۔

موجودہ نظامہائے تعلیم کا طرزِ عمل

نظامہائے تعلیم و تربیت بھی چونکہ عقلاء اور اہل علم کے ہی مرتب کردہ ہوتے ہیں، اس لئے موجودہ ملحدانہ تمدن کے تمام نظامہائے تعلیم و تربیت بھی صرف مذکورہ بالا دو پہلوؤں پر مبنی ہیں اور ان میں قلب و روح کے تقاضوں اور ضرورتوں یعنی اطاعتِ خالق، درستگیٔ اخلاق، انسانی جذبات، نیکی، اخوتِ انسانی اور اسی طرح کی دوسری خوبیوں کو نظر انداز کیا گیا ہے اور ان میں جو ناگزیر معلوم ہوئی اس کا علاج محض عقل سے یا طاقت کے استعمال سے کیا ہے۔

چنانچہ موجودہ تمدن میں جو اخلاقی خوبیاں ملتی ہیں وہ آپس کے مادی نفع و ضرر کے احساس اور اس کے دباؤ سے یا حکومت کی مقرر کردہ سزاؤں سے پیدا ہوئی ہیں جو قابل بھروسہ نہیں ہیں کیونکہ ان کی کوئی مضبوط بنیاد نہیں ہے۔

---

www.abulhasanalinadwi.org

مسجد و مراکز عبادت

مسجد کا کردار

خاندان اور مدرسہ کا بچے اور نوعمر کی تربیت میں جو اہم کردار ہے اس سے ملتا جلتا کردار مسجد کا عام مسلمانوں کی تربیت میں ہے۔ طاقت و اثر کے لحاظ سے مسجد کا کردار بعض وقت خاندان اور مدرسہ کے کردار سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ لیکن یہ اس وقت ہی ہوتا ہے جب مسجد کے دائرہ عمل کا پورا استعمال کیا گیا ہو، اور اس کے لوگوں میں اپنے کام کا صحیح سلیقہ ہو، ورنہ اس کا کردار کمزور ہوتا ہے اگرچہ وہ اپنی کمزوری کے بعد بھی اپنے اردگرد اور اپنے سے تعلق رکھنے والے افراد پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔

نظام مسجد اور دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں کا نظام

مسجد مسلمانوں کا مذہبی اور عبادتی مرکز ہے۔ ہر مذہب کے ماننے والوں میں ان کے مذہب کی اشاعت و ترکیز کے لئے عبادت کے مرکز ہوتے ہیں خواہ وہ مذہب آسمانی وحی کے نتیجہ میں وجود میں آئے ہوں جیسا کہ یہودی اور عیسائی مذہب اور اسلام کے مراکز عبادت یا روایات و خیالات سے قائم ہوئے ہوں جیسے

www.abulhasanalinadwi.org

بُت پرستی کی مختلف شکلوں کے مراکز عبادت۔

عبادت کے مرکزوں میں اسلام کا مقرر کردہ نظام ـــــ یعنی نظام مسجد ہر مذہب کے مرکز عبادت کے مقابلہ میں زیادہ مکمل اور جامع نظام ہے۔ دوسرے مذاہب کے مرکزوں میں اپنے ماننے والوں کے ساتھ مرکز کا رابطہ زیادہ ہمہ گیر اور جامع نہیں ہے۔ مثلاً عیسائیوں کے یہاں ان کا گرجا اتوار کے روز اپنا کام انجام دیتا ہے اور کسی عیسائی کے لئے اپنے گرجا سے تعلق رکھنے کے لئے یہ کافی ہو جاتا ہے کہ اتوار کے روز وہ وہاں حاضری دے آئے، اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرے اور معافی حاصل کر لے۔

یہود کے یہاں سنیچر کا دن عبادت کا دن ہے، باقی دنوں میں کوئی بڑی ذمہ داری نہیں۔ بُت پرست مذاہب میں صبح و شام یا دن میں صرف کسی ایک وقت عبادت کر لینا کافی ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ بات کہ دن میں پانچ مرتبہ مرکز عبادت میں حاضری دینا پڑتی ہو اور محض انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی طریقہ سے عبادت کی ادائیگی ضروری ہو، یہ صرف اسلام کا خاصہ ہے۔ پھر ہفتہ میں ایک روز بڑے اجتماع میں حاضری دینا علیحدہ سے ضروری ہو، جس میں صرف اجتماع ہی نہیں بلکہ تربیتی تقریر کا نظام مذہبی عمل کے طور پر ضروری قرار دیا گیا ہو۔ یہ وہ مزید عمل ہے جس کو تربیت کے کام کی حیثیت سے بڑی اہمیت حاصل ہے۔

عیسائیت کا تصوّر

عبادت کے مرکز کی طاقت اور اثر اس کے مذہب کی ساخت اور طریقہ کار سے بہت وابستہ ہے۔ عیسائیت میں یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی اُمت کی طرف سے کفارہ بن گئے، مذہب پر عمل کرنے میں سستی اور اہتمام پر اثر انداز ہوتا ہے کیونکہ مذہب کے ماننے والے کو یہ ایک بنیادی اعتماد حاصل رہتا ہے کہ اس کے گناہ

www.abulhasanalinadwi.org

خواہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے لئے ڈھال ہو جائیں گے اور یہ کہ اس کے نجات پا جانے کا یہ بڑا سہارا ہے۔ پھر مزید یہ کہ وہ پادری کے سامنے اپنے گناہوں سے شرمساری کا اظہار کر کے اس سے معافی کا پروانہ بھی حاصل کر لیتا ہے۔

یہودیت کا تصوّر

یہودی مذہب میں اپنے کو اللہ کی پسندیدہ اور مقبول جماعت بلکہ خدا کی مثل اولاد ہونے کا عقیدہ، گناہوں سے بچنے میں رکاوٹ بنتا ہے وہ کہتے ہیں نحن أبناء الله و أحبائه ـــــ (نعوذ باللہ) ہم اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب یہ تصور ہو تو جیسا کہ ماں باپ کی نافرمانی پر اولاد کو یہ ناز ہوتا ہے کہ وہ بہر حال رعایت کریں گے تو پھر یہود کو اپنے عقیدۂ ابنیت کے ساتھ خدا کی نافرمانی سے کون سی بات مانع بن سکتی ہے۔

دیگر مذاہب کا تصوّر

دیگر مذاہب زندگی سے جامع ربط ہی نہیں رکھتے بلکہ زندگی کے اس محدود خانے تک محدود رہتے ہیں جس میں مذہب کو اپنا حکم چلانے کا کھلا موقع نہیں ملتا، نیز مذہبی آدمی بننے کے لئے آدمی کا اپنے مال کو خیر کے کام میں صرف کرنا اور صرف عبادت کر لینا کافی ہو جاتا ہے۔

اسلام کا تصوّر

لیکن اسلام میں مذہب زندگی پر حاوی ہے اور اس کے عقائد میں کوئی ایسا

www.abulhasanalinadwi.org

عقیدہ نہیں ہے جس سے آدمی کو گناہوں اور معصیتوں کے باوجود اپنی نجات پر اعتماد ہو۔ وہاں تو فرمایا گیا ہے کہ "لاتزروا زرۃ وزر أخری" (کوئی ایک دوسر کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) اور فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ " (جو ایک ذرہ کے بقدر نیکی کرے گا اس کو دیکھے گا اور جو ایک ذرہ کے بقدر بدی کرے گا اس کو دیکھے گا)۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے آخری پیغام میں اُمّت سے فرمایا کہ: ــــــــــ

کلکم من اٰدم واٰدم من تراب لا فضل لعربی علیٰ عجمی ولا لعجمی علیٰ عربی إلا بالتقویٰ۔

" تم سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے ہیں۔ کسی عجمی کو کسی عرب پر اور کسی عرب کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں سوائے اس کے کہ تقویٰ کی بنیاد پر ہو۔"

اور اپنے خاندان کے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے فلاں اے فلاں مجھ سے جو لینا ہو یہیں لے لو، آخرت میں میں تمہارا کوئی بھلا نہ کرسکوں گا۔ اور اپنی محبوب بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے فاطمہ مجھ سے جو لینا ہو یہاں لے لو، آخرت میں میں تم کو کچھ نہ دے سکوں گا۔

مسجد کی اہمیت اور کام

ان مذکورہ بالا تعلیمات کے بعد ایک مسلمان کے لئے آخرت میں کامیابی کا سہارا اپنے پروردگار کی رحمت کے بعد صرف اپنا عمل ہے۔ اس کی بنیاد پر مسجد کی اہمیت اس کے لئے کسی دوسرے مذہب کے ماننے والے کے اپنے مرکز عبادت سے کے

www.abulhasanalinadwi.org

مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔

مزید یہ کہ مسجد کا نظام بھی ایسا مکمل اور جامع ہے کہ وہ زندگی کے مختلف پہلوؤں سے ربط رکھتا اور اثر ڈالتا ہے۔ محلہ یا علاقہ کے مسلمان کا پانچ وقت روزانہ مسجد میں اکٹھا ہونا اور آپس میں مل کر صفیں بنانا اور ایک طرح کے معانی و مضامین ادا کرنا، ان میں وحدت و اخوت کا ذہن اور اس کی مشق پیدا کرتا ہے اور نماز کی ہیئت و مضامین کے مؤثر تصور کے ساتھ ایک پروردگار کے سامنے یک جہتی کے ساتھ جھکنا تابعداری کا اقرار کرنا اور اپنی زندگی کے کسی بھی پہلو میں ہونے والی کوتاہیوں اور غلطیوں پر شرمساری اور ندامت کا اظہار کرنا اور آئندہ نہ کرنے کا وعدہ کرنا، یہ وہ باتیں ہیں جن سے برائیوں سے اجتناب کا جذبہ اور اچھی اور ستھری زندگی کو اختیار کرنے کی خواہش کی اہمیت کی صرف یاد ہی تازہ نہیں ہوتی بلکہ دل و دماغ پر اور جذبہ عمل پر ان کے اثرات پڑتے ہیں اور کوئی کام بھی اگر جذبہ کے ساتھ بار بار کیا جائے تو اس کے نقوش گہرے ہونے میں کوئی دشواری یا رکاوٹ نہیں ہو سکتی۔

یہ عمل دن میں پانچ بار ہوتا ہے اور ہفتہ میں ایک بار زیادہ وسیع پیمانے پر اور زیادہ افادیت کے ساتھ کیا جاتا ہے جبکہ جمعہ کے دن صرف محلہ ہی کے نہیں بلکہ اس سے زیادہ وسیع حلقے کے بلکہ پورے شہر کے مسلمان اکٹھا ہو جاتے ہیں اور نماز کے اجتماعی عمل کے ساتھ ساتھ باقاعدہ تربیتی تقریر بھی ہوتی ہے۔

مسجد ہمہ گیر نظام

مسجد کی شکل میں تربیت و دعوت کے جو ذرائع مہیا ہوتے ہیں، ان کا استعمال اگر زیادہ بہتر اور اہلیت کے ساتھ کیا جائے تو یہ ذرائع کم از کم مسلمانوں

www.abulhasanalinadwi.org

کے لئے تربیتی عمل کا سب سے مؤثر اور ہمہ گیر نظام ہو سکتا ہے۔

عبادت گاہوں کی اہمیت اور خدا کا تصوّر

مسجد اور عبادتی مرکز خواہ کسی بھی مذہب کا ہو، اپنی اثر انگیزی میں اس لئے زیادہ ممتاز ہوتا ہے کہ وہ انسانی احساس و جذبہ کے اس پہلو سے رابطہ رکھتا ہے جو انسانی جذبات میں ایک گہری اور مضبوط بنیاد رکھتا ہے وہ ہے اپنے سے زیادہ طاقتور اور مؤثر ذات کے سامنے تواضع اور حاجت مندی کا اظہار، اور پھر طاقت ور مؤثر ذات کی حیثیت سے خدا کا تصوّر سب سے اعلیٰ اور اثر انگیز تصور ہے۔ یہ جس مذہب میں جس قدر وسعت و طاقت کے مطابق پایا جاتا ہے وہ اس مذہب میں اسی کے مطابق طاقتور اور گہرا اثر رکھنے والا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے یہاں یہ تصوّر سب سے زیادہ وسیع، جامع اور گہرا ہے کیونکہ وہ واحد اور ہمہ گیر پروردگار کا تصوّر ہے جس کی صفت اَحَد (یعنی ایک، تنہا) بھی ہے اور مہیمن (یعنی غالب اور محیط) بھی ہے، لہٰذا یہ تصوّر اگر سچا اور مخلصانہ ہو تو اس کے سامنے تمام دیگر تصورات کوئی قیمت نہیں رکھتے۔

بہر حال خدا کے تصور کی طاقت صرف مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لئے خواہ وہ کیسے ہی مذاہب کے درمیان بٹے ہوں، ایک عظیم طاقت ہے جو انسانوں کے لئے نہ صرف کنٹرول کے لئے بلکہ ان کی تربیت کے لئے بھی اہم ذریعہ ہے، اور مسجد یا کوئی عبادت گاہ ہو اپنے اپنے دائرہ میں اس کا بڑا مرکز ہوتے ہیں۔

---

www.abulhasanalinadwi.org

انجمنیں اور جماعتیں

اجتماعی نظام اور وحدتیں

خاندان، پھر مدرسہ اور مراکز عبادت کے بعد تیسری قسم کی وحدتیں وہ اجتماعی وحدتیں ہیں جن کا تعلق زیادہ تر فکر و ثقافت کے عام اجتماعی ذرائع سے ہے۔ یہ ذرائع زبان و ادب اور منطقی طریقۂ تعبیر نیز نفسیات و جذباتِ انسانی کو ملتفت کرنے والے اثرات کے مالک ہوتے ہیں۔ ان میں ایک طرف صحافت ریڈیو، ٹیلی ویژن و سینما شامل ہیں تو دوسری طرف انجمنیں، جماعتیں، کلب اور مجالس علمی و ادبی شامل ہیں۔

یہ سب وہ اجتماعی وحدتیں ہیں جن میں انسان اجتماعی رُجحانات و خیالات، مشاہدات و واقعات، استدلالات و قوتِ بیانی سے خود بخود متاثر ہوتا ہے اور اخذ کرتا ہے اور اس کی زندگی پر غیر ارادی طور پر اس سلسلے میں ہونے والے تجربات کا اثر پڑتا رہتا ہے اور اس طور پر تربیت کا عمل ہوتا رہتا ہے۔

انسان کی صفتِ استفادہ و اخذ

ان مذکورہ بالا صورتوں میں سے انجمنوں اور دیگر ملتی جلتی مجالس کا تذکرہ

www.abulhasanalinadwi.org

پہلے کیا جا رہا ہے۔

ہر شخص میں خدا تعالیٰ نے بہتر چیز کو حاصل کرنے اور اختیار کرنے کا جذبہ ودیعت فرمایا ہے۔ چنانچہ آدمی جب کسی بہتر خیال سے واقف ہوتا ہے یا کسی بہتر چیز کو دیکھتا ہے تو بارادہ و بلا ارادہ اس کو کسی نہ کسی حد تک اخذ کرتا اور نقل اُتارتا رہتا ہے۔ یہی عمل بچہ اپنے گھر میں ماں باپ اور قریبی اعزہ کو دیکھ کر اور ذرا بڑا ہو کر محلہ کے لوگوں کو اور مدرسہ کے بچوں کو دیکھ کر کرتا ہے پھر مسجد و عبادت گاہ میں اکٹھا ہونے والے افراد کو نیز وہاں کے طور و طریق کو دیکھ کر کرتا ہے، اور جب عام معاشرے کا ایک جز بن جاتا ہے تو اپنے رفقار کار رفقار اجتماع کو دیکھ کر کرتا ہے۔

اجتماعی زندگی ایک ناگزیر ضرورت

اور چونکہ اجتماعی زندگی بذات خود انسان کی ایک ضرورت ہے اس لئے اس کی مختلف شکلیں کسی تکلف و تصنع کے بغیر ہمیشہ اختیار کی جاتی رہی ہیں۔ غیر تعلیم یافتہ ماحول میں اس کے مطابق اور تعلیم یافتہ ماحول میں اس کے مطابق اختیار کی جاتی رہی ہیں۔ غیر تعلیم یافتہ معاشروں یا ماحولوں میں کسان اپنے کھلیانوں میں اور شہری اپنی منعقد کردہ محافل میں اپنے اس تقاضے کو پورا کرتے رہے ہیں عربوں نے جب وہ بالکل امّی اور غیر تعلیم یافتہ تھے باقاعدہ محافل منعقد کرنا اپنی زندگی کا ایک عمل بنا رکھا تھا، وہ ان میں شرکت کرنا، عزت و مقبولیت کی دلیل سمجھتے تھے، چنانچہ شعرار کرام اپنے کلام میں اپنی اس خصوصیت کا اظہار عزت کے طور پر کرتے تھے۔

---

www.abulhasanalinadwi.org

عربوں وغیر عربوں کا طرز

عربوں میں یہ عادت و طریقہ اتنا راسخ تھا کہ ان کا اجتماعی مزاج بن گیا تھا۔ تعلیم یافتہ ہونے کے بعد بھی اس کو انھوں نے قائم رکھا۔ راتوں کو جاگنا اور کسی کے گھر پر یا کسی چائے خانہ میں یا کسی اور طریقہ سے مجلسی انداز پر وقت گذارنا ان کا اب بھی معمول ہے، اور اس کے لئے سہرۃ اور سمر کے الفاظ باقاعدہ اصطلاح بن چکے ہیں۔

دیگر قوموں میں اجتماعی ربط

عربوں کی یہ مذکورہ بالا عادت دنیا کی ہر قوم اور معاشرہ میں کم و بیش طریقہ سے اور شکل و اہمیت کے فرق سے رائج ملے گی۔

اسی سے تعلیم یافتہ معاشروں نے تعلیم یافتہ انداز کی شکلیں اخذ کرلیں۔ ان شکلوں میں انجمنیں جو بعض علمی، بعض ادبی اور بعض اخلاقی ہوتی ہیں اور جماعتیں جو بعض مذہبی سیاسی ہوتی ہیں اور کلب بعض تفریحی، بعض ادبی اور بعض ثقافتی ہوتے ہیں، قائم کیے گئے اور وہ اجتماعی دلچسپیوں کے انسانی تقاضوں کے پورا کرنے کا ذریعہ بنے۔

کمیونسٹوں کا طریقہ

کمیونسٹوں نے اجتماعی دلچسپیوں کے انسانی تقاضے کی نفسیات کو سمجھ کر کسانوں اور مزدوروں کی یونینوں کو فروغ دیا اور ان سے سیاسی اور معاشی تبدیلیوں کی راہ پیدا کی۔ ٹریڈ یونینوں اور عوامی کانگریسوں کا نظام اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ کمیونسٹوں کی اختیار کی جانے والی مذکورہ بالا راہ میں خالص مادی نقطہ نظر

www.abulhasanalinadwi.org

کارفرما ہوتا ہے اور وہ اسی پر سختی کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔ چنانچہ مذہب و اخلاق یا توان کے قائم کردہ معاشروں میں سرے سے ہوتا ہی نہیں ہے اور یا اس کی تعبیر و تشریح مادی کی جاتی ہے جس کی بنا پر وہ بے اصل قدروں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

حزبی وحدتوں کا طرز عمل

جہاں تک جماعتوں کا تعلق ہے جو مذہبی یا سیاسی ہوتی ہیں، وہ بھی مذکورہ بالا انسانی تقاضے کا ردعمل ہوتی ہیں، لیکن ان کو بارادہ عالی دماغ لوگ اختیار کرتے ہیں اور اہم اور خاص مقاصد کے حصول کا ذریعہ بناتے ہیں، ان مقاصد میں سیاسی یا مذہبی کردار کی تشکیل اور افراد کے اجتماعی پہلوؤں کی درستگی کے ساتھ ساتھ جماعت کے باہر کی زندگی میں جماعت کے مصالح کی نگہداشت شامل ہوتی ہے۔ جماعت سے باہر کی نگہداشت خاص طور پر سیاسی جماعتوں میں عموماً ساری توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں دفاع اور نزاع اور کش مکش پر زیادہ توجہ صرف ہونے لگتی ہے اور یہ کش مکش بھی حکومت سے باہر کی جماعتوں کی حکومت سے اور اس کی جماعت سے ہوتی ہے۔

جماعت سے باہر کی طرف توجہ بعض وقت مذہبی جماعتوں میں بھی کسی حد تک پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں مذہبی جماعت کے بنیادی مقصد یعنی تربیت کو نقصان پہونچتا ہے۔

جماعتی عصبیت

جماعتی نظام میں جماعتوں کے مابین کبھی گروہی عصبیت جو انسانی اجتماعیت

www.abulhasanalinadwi.org

کی ایک جذباتی صفت ہے، پیدا ہوجاتی ہے اور وہ جماعت کے تربیتی کام اور نظام پر اثر انداز ہوتی ہے، اس کے نتیجہ میں افتراق کی صورت حال پیدا ہوجاتی ہے۔

مثبت اور ہمہ گیر تربیتی کام کو صحیح طور پر انجام دینے کے لئے مذکورہ بالا نقائص سے بچنے کی ضرورت ہے اور چونکہ یہ مشکل عمل ہے اس لیے کم نظر آتا ہے، اور کم توجہ کی جاتی ہے۔

یورپ کے صنعتی انقلاب کے اثرات

یورپ میں جب سے صنعتی انقلاب آیا، اس وقت سے ٹریڈ یونینوں کا نظام پیدا ہوا۔ جس کا مزاج کش مکش اور حقوق طلبی تھا۔ اس کے رواج نے دیگر مذاق و مزاج کی جماعتوں پر بھی اپنا اثر ڈالا اور متاثر کیا، اور اسی کے نتیجہ میں سیاسی، مذہبی اور اجتماعی جماعتوں میں یہ رنگ پیدا ہوا جس سے ہمہ گیر تربیتی مقصد رکھنے والی جماعتوں کے کام و مقصد کو نقصان پہونچتا ہے۔

علمی و ادبی اور مذہبی انجمنوں کا مزاج

علمی و ادبی ثقافتی انجمنوں میں مذکورہ بالا غیر تعمیری رجحانات کا اثر عموماً کم پڑتا ہے کیونکہ وہ اپنے موضوع کے اعتبار سے تربیتی رنگ میں زیادہ رنگی ہوئی ہیں اور ان سے وابستہ ہونے والے بھی تعمیری و تربیتی ذہن کے زیادہ حامل ہوتے ہیں۔

علمی، ادبی، ثقافتی انجمنوں کا مزاج و مذاق مدرسے کے مزاج و مذاق سے زیادہ مطابقت و مشابہت رکھتا ہے اور ان سے صحیح فائدہ اٹھانے والے اور ان کو

www.abulhasanalinadwi.org

صحیح استعمال کرنے والے ان کو تربیتی مقصد کے لئے زیادہ نفع بخش بنالیتے ہیں۔
مذہبی و اخلاقی انجمنوں کے ذریعہ تربیتی مقصد کو سب سے زیادہ مدد ملتی ہے۔ کیونکہ ان کا متعین مقصد ہی تربیت و تشکیل سیرت ہوتا ہے چنانچہ اس مذاق و مقصد کی معمولی انجمنوں سے جو تربیتی فائدہ پہونچتا ہے وہ دیگر اجتماعی وحدتوں سے کمتر پہونچتا ہے۔

تفریحی کلب

جہاں تک تفریحی کلبوں کا تعلق ہے تو اگرچہ ان کا مقصد ذہن و جسم کی تفریح و صحت ہوتا ہے، لیکن اجتماعی ماحول کے بہ تسلسل حاصل ہونے سے اس کے وابستگان ایک دوسرے کے اخلاق و کردار اور فہم و خیال سے کسی نہ کسی حد تک متاثر ہوتے ہیں۔ اور اس طرح ہر تربیتی عمل کسی نہ کسی مقدار میں انجام پاتا رہتا ہے یہی بات کھیل کے کلبوں اور پروگراموں میں بھی غور کرنے پر دیکھی جاسکتی ہے۔ اور اگر کلبوں کے پروگراموں میں علمی و ادبی عنصر بھی شامل ہو تو اسے دائرے میں بھی ان کلبوں سے فائدہ پہونچتا ہے۔

اجتماعی ربط کا ذوق

مدرسہ کی زندگی سے نکلنے کے بعد لوگ عام طور پر مذکورہ بالا مختلف اجتماعی وحدتوں میں سے بعض کو یا ان میں سے کئی کو اپنے اپنے ذوق کے مطابق اختیار کرتے ہیں، اور ان سے کسی نہ کسی حد تک وابستہ ہوجاتے ہیں اور اس طرح ان کے نظام سے اپنی سیرت و اخلاق و علم و ذہن کے لئے تاثر و استفادہ کی کچھ نہ کچھ راہ بنالیتے ہیں۔

---

www.abulhasanalinadwi.org

مخاطبت اور اُسکے اثرات

زبان وقلم کے ذریعہ اجتماعی ربط

معاشرہ کی تعلیم وتربیت کے لئے دو ذریعے اختیار کئے جاتے ہیں۔ ایک قلم کا ذریعہ اور دوسرا مخاطبت کا ذریعہ۔ ان دو ذریعوں سے ایک انسان دوسرے انسانوں تک اپنی بات پہونچاتا ہے اور اپنا احساس وتاثر بتاتا ہے، احساس و تاثر بنانے کا کام انفرادی سطح پر تو ہوتا ہی ہے اور اس پر زندگی کا سارا نظام قائم ہے لیکن اجتماعی سطح پر یہ کام اجتماعی فوائد ونتائج کا حامل ہوتا ہے۔

علم اور زبان

انسان کو دیگر مخلوقات کے مقابلہ میں عقل وفہم کی جو دولت خدا کی طرف سے ملی ہے، اس دولت کو علم کی دولت نے جو مزید مزین ومفید بنا دیا ہے اس کی وجہ سے انسان کو اپنی زندگی کو نہ صرف انفرادی طور پر بلکہ اجتماعی طور پر بھی ترقی یافتہ اور شاندار بنانے کی صلاحیت حاصل ہوگئی ہے اور یہ عقل وفہم اور علم وتجربات کا تبادلہ زبان کے ذریعہ اپنی بات، دوسرے تک پہونچانے کے ذریعہ

www.abulhasanalinadwi.org

ہی ہوتا ہے۔

اجتماعی ربط وضبط

اور چونکہ باہمی تعاون اور اجتماعی ربط وضبط کا جذبہ اور مزاج انسان میں شروع ہی سے رہا ہے اس لئے اجتماعی ضرورتوں کا انتظام اور اس میں ترقی وبہتری علم و تمدن کی مدد سے ہوتی رہی اور اس سب میں اپنی بات کو دوسرے تک پہونچانے کے عمل نے بڑا کام کیا۔

زبانی مخاطبت

علم وتمدن کی زندگی سے قبل کے معاشروں میں زبانی مخاطبت ہی سب سے بڑا ذریعہ ہوتا تھا، تحریری مخاطبت کا انحصار علم وتعلیم کی صلاحیت پر رہا ہے۔ چنانچہ عربوں کی قبل اسلام زندگی میں جبکہ ان میں تعلیم نہ تھی لیکن زبان کے معاملہ میں خوب ترقی ہوئی تھی اور صلاحیت بڑھی تھی۔ یہی زبانی مخاطبت کا ذریعہ کام میں لایا جاتا تھا۔ ان کی شعر وشاعری کے بعد جو کہ ان کے زبان وادب کے ذوق وصلاحیت کا مظہر ومیدان بنتی تھی، خطابت ہی نقل احساسات وجذبات کا بڑا ذریعہ تھی چنانچہ ان کے معاشرے اس بات کی فکر رکھتے تھے کہ ان میں ایسے لوگ اُبھریں اور ظہور میں آئیں جو یہ کام اچھی طرح کر سکتے ہوں۔ اور پھر ایسے موقعوں پر جب کسی دوسرے تک اپنے تاثرات پہونچانے ہوں یا اپنے ہی معاشرے کو ضروری اور اہم حقیقتوں سے آگاہ اور مطمئن بنانا ہو تو فائق الکلام افراد سے فائدہ اٹھایا جاتا تھا اور وہ اس کام کو بہت اچھے طریقے سے انجام دیتے تھے۔

یہ بات صرف عربوں کے ماقبل تعلیم معاشروں کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ تمام

www.abulhasanalinadwi.org

انسانی معاشروں کا جائزہ لینے پر سب معاشروں میں اسی جیسی صورت حال کا پتہ چلتا ہے۔ اور وجہ یہ رہی ہے کہ یہ اجتماعی زندگی کی ایک اہم ضرورت ہے۔

خطابت و تحریر

تعلیم و تمدن آجانے کے بعد خطابت کا عمل ختم نہیں ہو جاتا بلکہ صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کے کام کے ایک بڑے حصے کو بڑا ہو یا چھوٹا تحریری ذریعہ بھی اپنی ذمہ داری میں لے لیتا ہے۔ اس صورت میں خطابت کی اہمیت کچھ کم ہو جاتی ہے لیکن ختم نہیں ہوتی۔

خطابت و تحریر میں ایک فرق یہ ہے کہ تحریر بہر حال تعلیم یافتہ افراد تک محدود ہے لیکن خطابت دونوں پر محیط ہوتی ہے اور اس کا میدان زیادہ وسیع ہوتا ہے اس لئے ہر طرح کی اجتماعی وحدتوں میں وہ کام کرتی ہے خواہ وہ وحدت پڑھے لکھے لوگوں کی ہو یا بے پڑھے لکھے لوگوں کی۔

مخاطبت کے تین پہلو

خطابت کی طاقت و اثر اس کے تین پہلوؤں کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ ایک تو اس کی عبارت کے مضامین و معنی دوسرے اس کی عبارت کے الفاظ و جملے تیسرے خود خطیب کا انداز کلام و منظر۔

عبارت کا مضمون و معنی

جہاں تک عبارت کے مضمون و معنی کا تعلق ہے تو وہ مخاطبین کی نفسیات و مزاج، معلومات و تاثرات کے مطابق ہونے یا نہ ہونے سے وابستہ ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

انسان کے اجتماعی مزاج کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ یہ مزاج انفرادی مزاج سے مختلف ہوتا ہے اس مزاج میں سرسری انداز و جذباتی پہلو غالب ہوتا ہے۔ گہرائی تک جانے کا مزاج نہیں ہوتا۔ چنانچہ جو باتیں اچھی لگ جاتی ہیں وہ اچھی معلوم ہوتی ہیں اور جو بُری لگ جاتی ہیں وہ بُری معلوم ہوتی ہیں، جن باتوں کے متعلق جو تاثرات بن جاتے ہیں وہ بے سوچے سمجھے اپنا کام کرتے ہیں، اور ان پر اثر انداز ہونے والی بات فوراً اثر انداز ہوتی ہے اور خطیب کو ان باتوں کا لحاظ کرنا ہوتا ہے۔ خطیب کو اس بات کا خیال کرنا پڑتا ہے کہ مخاطب جماعت کے کون احساسات کتنے تیز ہیں اور کون خیالات اس کے ذہن میں متمکن ہو چکے ہیں۔ خواہ وہ خیالات قومی ہوں اور خواہ مذہبی۔ دونوں قسم کے خیالات کو زیادہ جذباتی انداز حاصل ہوتا ہے اور ذرا سی تحریک سے ان میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے جو اجتماعی جذبہ و عمل کا سبب بن جاتی ہے۔ بعض بعض خیالات کی نمائندگی ان کے مخصوص الفاظ کرتے ہیں۔ ان الفاظ کو برمحل استعمال کر لینا ان خیالات کو متحرک اور فعال بنا دینے کے مرادف ہوتا ہے۔

مخاطبین کی فہم کی رعایت

اسی طرح مخاطب جماعت کی عقل و فہم کی رعایت بھی کرنا ہوتی ہے۔ اس کے سامنے وہ مضمون لانا مفید ہوتا ہے جس کو ان کی عقل و فہم آسانی سے قبول کر سکے سامع کی رفتار فہم کے مطابق ہی خطیب کے مضامین کی رفتار ہونا ضروری ہے تاکہ وہ قابل اخذ و ادراک ہوں ورنہ سامع ساتھ نہ دے سکے گا اور بات اخذ و فہم سے رہ جائے گی۔ اسی لیے خطیب اگر اپنی مخاطب جماعت کی فہم و صلاحیت سے واقف نہیں تو وہ اس جماعت پر اپنی خطابت سے اثر ڈالنے میں بھی کامیاب نہیں

www.abulhasanalinadwi.org

ہوسکتا۔

الفاظ کا معنوی اور صوتی اثر

جہاں تک عبارت کے الفاظ و کلمات کا تعلق ہے تو اس کا ایک جز تو زبان و لغت سے اور دوسرا الفاظ کے صوتی اثرات سے ربط رکھتا ہے۔ بعض جماعتی وحدتوں کو ادبی الفاظ سے ذوق ہوتا ہے ان کے کان ان سے زیادہ مانوس اور دل و دماغ ان سے لطف محسوس کرتے ہیں اور وہ گفتگو یا خطابت جو ان پر مشتمل ہو ان میں زیادہ توجہ، التفات اور اثر پذیری سے سُنی جاتی ہے۔ عربوں میں یہ ذوق بہت رہا ہے اور اب بھی باقی ہے۔ بعض وقت خطیب کے خطبہ میں سوائے الفاظ و ادبی جملوں کے اور کچھ نہیں ہوتا لیکن وہ تقریر بھی دل چسپی سے سُنی جاتی ہے اور اثر ڈالتی ہے۔ اسی طرح الفاظ کا صوتی انداز بھی کانوں کو اور ذہنوں کو متوجہ کرتا ہے اور مخاطب جماعت میں اس کا جتنا ذوق ہوتا ہے، اتنا اثر مزید پڑتا ہے۔ یہ صوتی انداز بعض وقت الفاظ کو مرادف لانے میں سجع استعمال کرنے میں اور مرعوب کن یا دل آویز صوتی آہنگ کے استعمال کرنے میں پیدا ہوتا ہے۔ ان کے سننے سے یوں تو سبھی مخاطبین پر کسی نہ کسی حد تک اثر پڑتا ہے، لیکن اس طرح کا ذوق رکھنے والوں پر زیادہ پڑتا ہے۔ اس کے لئے بھی مخاطب جماعت کے ذوق کو جاننے کی ضرورت ہوتی ہے اگر مخاطب جماعت عوام کی ہے تو محض سجع اور مرادفات جو مناسب توازن و تناسب سے لائے جائیں اور ان میں اشعار کی آمیزش جو ذرا اچھی آواز سے پڑھے جائیں اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسی لئے واعظ حضرات کو ان باتوں کا کسی نہ کسی حد تک سہارا لینا پڑتا ہے۔

اور اگر مخاطب جماعت سنجیدہ اور تعلیم یافتہ لوگوں کی ہے تو سطحی طرز کے

www.abulhasanalinadwi.org

سجع اور مرادفات کا استعمال بے محل کام ہوتا ہے۔ ان کے لئے سنجیدہ اور آسان الفاظ وعبارت جو ابتذال سے دُور ہو زیادہ موزوں ہوتی ہے۔ اور اگر مخاطب جماعت دانش وروں اور علمی کام سے وابستہ لوگوں کی ہے تو زبان والفاظ میں علمی اور سنجیدہ پہلو کا لحاظ ضروری ہوتا ہے۔ ابتذال اور عوامی ذوق کے الفاظ وعبارت سے اجتناب ضروری ہوتا ہے ورنہ خطیب کی رکاکت اور سطحیت کا احساس پیدا ہو جاتا ہے اور پھر اس کی بات کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔

بہرحال اس میں مخاطب کے علم و ذوق و مزاج کو سمجھنا اور لحاظ کرنا ضروری ہے اور اس کے لحاظ سے ہی خطیب کی خطابت موثر اور نفع بخش ہوتی ہے۔

انداز و منظر

رہا خطیب کا انداز کلام اور منظر تو اس کی خطابت پر اس کا بھی اثر پڑتا ہے اور اس کی بات اس کے نتیجہ میں اس کے لحاظ سے توجہ یا بے توجہی سے سنی جاتی ہے۔

دراصل خطیب کو سننے میں سامعین کے کان اور آنکھ دونوں استعمال ہوتی ہیں کان سے الفاظ و معانی کا لطف لیا جاتا ہے اور آنکھ سے خطیب کا انداز کلام اور اس کے منظر سے اس کے کلام کی تقویت یا عدم تقویت محسوس کی جاتی ہے۔ خطیب اپنے ہاتھوں کے اشارے سے، اپنے ہونٹوں کے انداز سے اور سر کی حرکت سے ان الفاظ و معانی کو جو اپنی زبان سے ادا کرتا ہے، تقویت پہونچاتا ہے اور سامعین اس تقویت کو محسوس کرتے ہیں اور اثر لیتے ہیں۔ اگر مضمون سنجیدہ و علمی ہے تو اس میں کم اشارے اور کم حرکت موزوں و مناسب ہوتی ہے اور اگر مضمون جذباتی اور اشتعال انگیز ہے تو زیادہ موثر اشارے اور زیادہ مناسب حال حرکت موزوں ہوتی ہے۔ لیکن مضمون اگر خالص سنجیدہ اور علمی ہے تو حرکت اور اشاروں کا بالکل محتاج نہیں ہوتا

www.abulhasanalinadwi.org

اس کو صرف سنجیدہ انداز ہی میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ چہرہ کے خط و خال موضوع کے مطابق خود غمازی کر لیتے ہیں۔

عربوں کا طریقہ

عربوں کے یہاں جن میں خطابت کے مفید انداز اختیار کر لیے گئے تھے چند قاعدے ضروری سمجھے جاتے تھے، مثلاً سنجیدہ اور بارعب لباس کو اختیار کرنا ہاتھ میں عصا رکھنا اور ذرا بلند جگہ پر کھڑے ہونا اور ہاتھ وغیرہ کے مناسب موقع و حال اشاروں کو استعمال کرنا، ان کی خطابت کے ضوابط تھے اور بہر حال ان باتوں کا مطلوبہ اثر پڑا کرتا تھا۔

جمعہ و عیدین کے خطبوں میں اس طرح کے انداز کو اختیار کرنا دراصل اسی قدیم طرز کی یادگار ہے

خطابت اجتماعی وحدت پر اثر ڈالنے کا بڑا ذریعہ

بہر حال خطابت، جماعتی وحدتوں، مجمعوں کو متاثر کرنے اور ان کے خیالات و احساسات پر اثر ڈالنے، ان کے متحرک کر کے فعال بنا دینے اور ان کے آراء و افکار پر اثر ڈالنے کا ایک مؤثر اور ہمہ گیر ذریعہ ہے۔ اس سے غیر تعلیم یافتہ معاشروں میں بھی پورا فائدہ اٹھایا گیا ہے اور تعلیم یافتہ معاشروں میں بھی حسبِ ضرورت و حالات پورا فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور سیاسی اور مذہبی مقاصد کے لئے تو اس سے زیادہ ہمہ گیر اور زود اثر ذریعہ عام طور پر دوسرا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

---

www.abulhasanalinadwi.org

خطابت ایک اہم فن ہے

خطابت کے ایک باقاعدہ اور با اصول فن ہونے کے باعث لوگ عموماً اس کو اہتمام سے سیکھتے ہیں اور اس کی مشق کرتے ہیں۔ بعض لوگ بغیر مجمع کے تنہائی ہی میں مجمع کا فرضی تصور کر کے اس کی مشق کر لیتے ہیں تاکہ جب مجمع کے سامنے خطابت استعمال کرنا ہو تو بہتر اور شستہ انداز میں کر سکیں۔ اسی طرح خطابت کے باقاعدہ سیکھنے میں گزشتہ دور کے اچھے خطیبوں کے انداز کی نقل کی جاتی ہے۔ ان کی منقول تقریروں کے ٹکڑے زبانی یاد کر لیے جاتے ہیں تاکہ ان کو بجنسہٖ یا ان کے مشابہ ٹکڑوں کو استعمال کیا جا سکے۔ اور اس طرح زور بیان پیدا کیا جا سکے۔

تقریروں کا طول و اختصار

تقریروں میں جو تقریر متوسط طول کی ہوتی ہے ان میں شکوہ الفاظ، طاقتور طرز ادا اختیار کرنا زیادہ مشکل نہیں ہوتا بلکہ عموماً مفید و مؤثر ہوتا ہے اور بعض لوگ جو اس کو علی العموم اختیار کرتے ہیں وہ اس کے عادی ہو جاتے ہیں۔ وہ طرز و اسلوب ان کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے اور اس میں ان کو کمال و اثر حاصل ہو جاتا ہے۔ عربی کی خطابت میں عموماً یہی اسلوب زیادہ تر رائج رہا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض خطابت کے نمونوں میں اس اسلوب کا انداز ملتا ہے۔

لیکن جو تقریریں طویل ہوتی ہیں ان میں اس طرح کا پُرشکوہ و پُرزور اسلوب عموماً سازگار نہیں ہوتا۔ وہ تقریریں نسبتاً ٹھنڈی اور نرم اسلوب میں کی جاتی ہیں۔ مواعظ کے لئے یہ اسلوب موزوں سمجھا گیا ہے۔ ان میں قرآن مجید اور حدیث شریف کے حوالے ہوتے ہیں۔ بزرگوں کے واقعات اور بعض علمی و ادبی نکتے و لطیفے بھی

www.abulhasanalinadwi.org

آجاتے ہیں۔ ایسے اسلوب میں طویل تقریروں سے نہ مقرر زیادہ تھکتا ہے اور نہ سامعین اکتاتے ہیں۔ اس اسلوب کے بعض مقررین کئی کئی گھنٹے مسلسل بلکہ اس سے بھی زیادہ وقت تک تقریریں کرنے کے عادی ہوتے ہیں اور ان کے سامعین یکساں ذوق سے ان کو سنتے ہیں۔

خطابت دعوتی کام کا بڑا ذریعہ

دعوتی کام اور قیادت کی ذمہ داریوں کے لئے خطابت ایک بڑا مفید اور اہم ذریعہ ہے۔ داعیوں نے اور قائدین نے عموماً اسی سے کام لیا ہے اس کی خوبی یہ ہے کہ قوم کے ہر طبقے پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ خواہ پڑھے لکھوں کا طبقہ ہو، خواہ جاہلوں کا، خواص کا ہو یا عوام کا، نوجوانوں کا ہو یا کہنہ سال افراد کا، طلبار کا ہو یا مزدوروں کا، سب خطابت سے متاثر ہوتے ہیں۔ سب میں خطابت کے اثر سے جذبہ یا جوش پیدا ہوتا ہے یا قلب و دماغ کی کیفیات میں تبدیلی آجایا کرتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خطابت کی مثال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ واقعہ جس میں حضرات انصار کی شکایت اور رنجدلی کو آپؐ نے اپنے چند خطابی جملوں سے رفع فرمایا۔ اس کی بڑی اچھی مثال ہے آپؐ نے حضرات انصار کو ایک موقع پر مال غنیمت میں سے کم حصہ دیا اور نئے اسلام لانے والوں اور مہاجروں کو زیادہ دیا۔ وجہ یہ تھی کہ حضرات انصار پرانے ہو جانے کی وجہ سے خصوصی دلداری کے ضرورت مند نہ تھے لیکن نئے لوگ خصوصی دلداری کے ضرورت مند تھے۔ لیکن آپ کو جب انصار کے احساس کا پتہ چلا تو آپ نے ان کو جمع

www.abulhasanalinadwi.org

فرمایا اور اپنی تقریر میں انصار سے اپنے قریبی تعلق اور انصار کی ہمدردی اور مدد کو محبت و تعلق کے الفاظ کے ساتھ تسلیم کرتے ہوئے اور نبی کے واسطہ سے انصار کو آخرت کی کامیابی اور اللہ تعالیٰ سے قرب کی دولت حاصل ہونے کے تذکرہ کے بعد فرمایا کہ کیا تم اس پر خوش نہیں کہ دوسرے لوگ بھیڑ بکریاں لے جائیں اور تم اللہ کے رسول کو اپنے گھر لے جاؤ۔ کیا تم اس تقسیم پر راضی نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخصوص بلاغتی انداز میں فرمایا، اور یہ ایسی نفسیاتی تشریح و وضاحت تھی کہ انصار رونے لگے اور کہنے لگے بالکل راضی ہیں، بالکل راضی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو خطیب ہی نہیں بلکہ امام الخطباء تھے۔ آپؐ کے صحابۂ کرام میں بہت سے افراد میں بھی موثر خطابت کا وصف آیا تھا۔ پھر بعد کے لوگوں میں اچھے اچھے خطیب گزرے ہیں۔ عام طور پر دعوت و اصلاح و موعظت کا کام کرنے والے اور قائدین و زعماء کا اس صفت میں خوبی و کمال زیادہ نمایاں ملتا ہے۔ اور یہ سلسلہ ہر دور میں قائم رہا ہے اور یہ ایک ہنر ہونے کی وجہ سے صرف دین حق ہی کے ساتھ مخصوص نہیں رہا بلکہ جس نے بھی اس پر محنت کی یا اس کے اصول کا اہتمام کیا، مشق کی، اس کو بھی یہ حاصل رہا۔

مخاطبت کی دیگر شکلیں اور اُن کے اثرات

مخاطبت کا ذریعہ انسان کا انسان کو اپنے خیالات سے مؤثر ڈھنگ سے آگاہ کرنے کا سب سے وسیع اور قدیم ذریعہ رہا ہے۔ یہ ذریعہ انسان کے ابتدائی زمانوں کی وحدتوں میں بھی اختیار کیا گیا ہے اور آج کل ترقی یافتہ و متمدن وحدتوں میں بھی اختیار کیا جاتا ہے۔

مخاطبت کی ایک شکل تو اجتماعی وحدت کو سامنے رکھتے ہوئے ہوتی ہے جس کو

www.abulhasanalinadwi.org

تقریر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ مخاطبت کی متعدد شکلوں میں سے ایک شکل ہے۔ اس شکل کے اختیار کرنے اور اس کی تاثیر و خوبی کی فکر کرنے کا رواج زیادہ ہے۔ اس لئے یہ شکل زیادہ معروف ہے لیکن مخاطبت کی دوسری شکلیں بھی اپنی اپنی خصوصیات و اثرات رکھتی ہیں، جن میں مخاطبین کی نفسیات ذوق اور صلاحیت اخذ و استفادہ کا لحاظ رکھتے ہوئے بات کی جاتی ہے۔

تعلیمی مخاطبت

مخاطبت کی مختلف شکلوں میں سے ایک تعلیمی مخاطبت کی شکل بھی ہے جس میں طلباء کے ذہن و استعداد کی رعایت اور موضوع کی خصوصیات کا خیال رکھتے ہوئے بات کی جاتی ہے۔ مخاطبت کی یہ شکل بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ مدرس کی اپنے عمل تدریسی میں کامیابی و ناکامیابی کا انحصار اس قسم کی مخاطبت پر قابو یافتہ ہونے پر ہے۔ چنانچہ جو مدرسین موضوع کی خصوصیات کے مطابق اور اپنے مخاطب طلباء کے ذہن و استعداد کی رعایت کے لحاظ سے بات نہیں کر پاتے، ان کی تدریس کامیاب نہیں ہوتی۔

نصیحت

مخاطبت و افہام کی ایک دوسری شکل نیم اجتماعی مخاطبت یا انفرادی طور پر نصیحت و افہام و تفہیم ہے۔ اس میں بھی خطاب کرنے والا چند اشخاص کو یا کبھی کبھی ایک ہی شخص کو مخاطبت کے مقررہ اصولوں کے مطابق مخاطب کرتا ہے اور بات کو ان کے ذہنوں میں اس طور پر اتارنے کی کوشش کرتا ہے کہ مخاطب اشخاص کا دل و دماغ بیک وقت ان کو تسلیم کر لے۔ عربوں کے یہاں اس کے لئے وصیت کا لفظ

www.abulhasanalinadwi.org

استعمال ہوتا ہے اور ان کے ادب میں یہ بھی ایک مستقلاً قسم ہے۔

اس قسم میں بھی مخاطب کی نفسیات اور مقصد کے تقاضوں کی رعایت کی جاتی ہے۔ الفاظ و اسلوب کلام کے انتخاب میں ان کی اثر پذیری کی فکر رکھی جاتی ہے اس طرح پر خطابت کے ہم مرتبہ اسلوب و انداز اختیار کرنا ہوتا ہے۔

مخاطبت کے موقعوں پر الفاظ و معانی کی ترتیب و تشکیل میں طاقت و اثر پذیری کا لحاظ ہی اس کو کبھی خطابت بنا دیتا ہے اور کبھی نصیحت و وصیت اور کبھی تعلیم و تفہیم مگر ان میں سے ہر ایک قسم کی ضمنی خصوصیات ایک دوسرے سے ایک حد تک مختلف ہو سکتی ہیں۔ لیکن بنیادی طور پر ان کے اصول یکساں ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا مخاطبت کی قسموں میں سے خطابت کی قسم زیادہ وسیع دائرے میں اور زیادہ گہرا اثر ڈالتی ہے۔ اس لئے اس کا استعمال اہم موقعوں پر کیا جاتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

لٹریچر اور اس کی اشاعت

قلم کا سماجی تربیت میں حصّہ

سماجی تربیت میں قلم کو غیر معمولی دخل رہا ہے اور اس نے انسان کی ذہنی و اخلاقی خدمت کا بڑا فرض انجام دیا ہے۔ قرآن مجید میں بھی قلم کا تذکرہ تعریفی اور اہمیتی انداز میں آیا ہے مثلاً سورہ اقرا میں علم بالقلم اور سورہ نون میں ق والقلم وما یسطرون جن کی تفسیر سے قلم کے عمل کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

قلم دراصل ذریعہ ہے اگلوں کی معلومات و تجربات و مشاہدات کو محفوظ کرنے کا، معلومات و مشاہدات جب محفوظ ہوجاتے ہیں تو بعد کی نسلیں ان سے اسی طرح واقف ہوتی اور مستفید ہوتی ہیں جس طرح اپنے مشاہدات و تجربات سے اور اس طرح پر تھوڑے سے وقت میں آدمی اپنے تجربات و معلومات کے ساتھ بہت سے سابق سمجھ داروں اور تجربہ کاروں کی معلومات و تجربات سے بھی فائدہ اٹھاتا ہے۔ ان ساری باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قلم انسان کی زندگی میں اہم ترین کردار انجام دیتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

کاغذ کی ایجاد سے قبل و بعد

قلم کے ذریعہ کاغذ پر علوم و افکار ثبت کئے جاتے ہیں۔ لیکن پہلے جب کاغذ ایجاد نہیں کیا گیا تھا اس وقت لوگ پتھر پر، لکڑی پر، ہڈی پر، جانور کی جھلی پر، درخت کی چھال پر، غرض ہر اس چیز پر جس کو صفحہ کی شکل میں لایا جا سکتا ہو اور اس پر لکھا جا سکتا ہو لکھتے تھے۔ لیکن ان صورتوں میں دشواری زیادہ ہوتی تھی اور گراں بھی ثابت ہوتا تھا۔ مزید یہ کہ اس طرح لکھی ہوئی چیز کی عمومیت زیادہ نہیں ہو پاتی تھی اور محنت کا فائدہ بہت وسیع دائرے میں نہیں ہو پاتا تھا، غالباً اسی وجہ سے کتابی تعلیم انسانوں میں زیادہ عام نہیں ہوئی تھی۔ اگرچہ انسانوں نے قلمی کاوشوں سے بہت فائدہ اٹھایا اور آج ہمارے پاس جو کچھ علمی سرمایہ ہے، یہ انہی قلمی کاوشوں کے ذریعہ ہم تک پہونچا ہے، پھر کاغذ ایجاد ہوا اور اس سے لکھنے اور تصنیف کرنے کے کام میں سہولت بڑھی۔

پریس

پھر گذشتہ صدی سے پریس کے وجود میں آجانے کے بعد کتابوں کے پھیلنے اور ان سے فائدہ اٹھائے جانے کا دائرہ بیحد وسیع ہو گیا اور اس راستہ سے تیار ہونے والی کتابیں زیادہ سہولت سے اور ارزاں طریقہ سے حاصل ہونے لگیں۔

قلمی کتابیں

کتاب میں جو علم و ادب ہوتا ہے اس کی قیمت اور اہمیت کی بنیاد پر ہی اس کتاب کی اہمیت اور قدر اس کے حاصل کرنے والے کے دل میں ہوتی ہے اور اسی

www.abulhasanalinadwi.org

کے لحاظ سے وہ اس کے حصول کے لئے کوشاں ہوتا ہے۔ قلمی دور میں طالبان علم خود اپنے قلم سے کسی قابل قدر کتاب کو لکھ کر اپنا سرمایہ علم بناتے تھے اور جو خود اپنے قلم سے نہیں لکھ سکتے تھے وہ کسی سے اجرت پر لکھواتے تھے، اسی کے اثر سے ایسی دکانیں قائم ہوتی تھیں جن میں اجرت دے کر کتابیں لکھوائی جاتی تھیں۔ وہاں اس کام کا انتظام کارخانہ کی طرح کا ہوتا تھا۔ اس طرح کے دکان کے مالک کو وراق کہتے تھے۔ یہ دکان اچھی اچھی اور اہم کتابوں کو جمع کرتی تھی۔ اس طرح اس میں ایک کتب خانہ بن جاتا تھا۔ لوگ جا کر مطالعہ بھی کرتے اور پسندیدہ کتاب کو لکھوا کر اپنے ذاتی کتب خانہ کی زینت بناتے۔ اس طرح کتب خانوں کا رواج بڑھا اور علم کا فروغ ہوا۔

پریس کی ایجاد کے بعد

پریس کے ظہور میں آنے کے بعد یہ کام آسان ہوتا چلا گیا اور کتابیں زیادہ تعداد میں اور کم قیمت میں قابل وصول بننے لگیں، لیکن کتابوں کی طباعت پر جو مجموعی صرفہ آتا ہے وہ صرف چند نسخے طبع کرنے پر بہت زیادہ پڑتا ہے۔ اسی لئے زیادہ نسخے طبع کئے جاتے ہیں تاکہ فی نسخہ مصارف کم آئیں اور شائقین اور ضرورت مند لوگوں کو خریدنا آسان اور قابل برداشت ہو۔ لیکن طبع کرانے والے کے مصارف اس وقت واپس ہوتے ہیں کہ اس کے کثیر تعداد میں طبع کرائے ہوئے نسخوں کی بیشتر تعداد فروخت ہو جائے۔

ان دشواریوں کی وجہ سے ہر شخص خواہ طباعت کا کتنا خواہش مند ہو، آسانی سے طبع کرانے کا اقدام نہیں کر سکتا، کیونکہ اگر اس کی کتاب کے نسخے اکثر فروخت نہ ہوئے تو اس کی رقم ڈوب جاتی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

طباعت اور اشاعت کے لئے تین ضروری امور

کتاب کی طباعت کے لئے دراصل تین باتوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو لائق طباعت کتاب کا ہونا، دوسرے طباعت کے مصارف کا تحمل ہونا، تیسرے طباعت کے بعد کتاب کے نسخوں کی حسب ضرورت فروخت کا انتظام ہونا۔ ان تین باتوں میں سے کوئی ایک بات اگر نہ ہو تو کتاب کا رواج مشکل ہو جاتا ہے۔

مصنف کتاب اپنے علم کو زینت کتاب اس وقت بناتا ہے جب اس کو یہ اطمینان یا خیال ہو کہ پڑھنے والے اس کتاب کو پڑھیں گے اور خریدیں گے۔ اگر پڑھنے والوں کو کتاب قبول نہ ہو تو کتاب کی تصنیف بے سود معلوم ہوتی ہے۔ خریدار کتاب کو اسی وقت خریدتا ہے جب وہ اس میں اس کی قیمت کے مطابق یا قیمت سے زیادہ افادیت یا لطف محسوس کرتا ہو، اسی طرح اگر کتاب کے طبع کرانے کے مصارف نہ ہوں تو کتاب کیسے طبع ہو اور شائقین تک کیسے پہونچے۔

یہ تین پہلو ایک ہی آدمی میں جمع ہو جائیں تو یہ مشکل بات ہوتی ہے اور اس کے بغیر اگر مصنف کتاب تیار کرتا ہے لیکن شائقین تک پہونچانے کا انتظام نہیں کر سکتا۔ تو بھی بے سود ہو جاتا ہے اور اگر طباعت کا انتظام کر لیتا ہے لیکن شائقین کو متوجہ اور راغب نہیں کر سکتا تو اس وقت بھی اس کی محنت رائیگاں ہوتی ہے۔

دارالاشاعت

اس دشواری کو اب دارالاشاعت قسم کے اداروں نے حل کیا ہے۔ وہ اہل مصنفین سے کتابیں لکھواتے ہیں اور سرمایہ لگا کر طبع کراتے ہیں، پھر اس کے رواج و فروخت کی کوشش کرتے ہیں۔ رواج و فروخت کی کوشش خود مستقلاً ایک

www.abulhasanalinadwi.org

ہنر ہے۔ اس ہنر کے ذریعہ بعض وقت غیر وقیع تصنیف بھی وقیع تصنیف کا مقام حاصل کرلیتی ہے۔ یہ ہنر بعض انسانوں میں بہت اچھا ہوتا ہے اور اب تو یہ مستقل ایک فن ہوگیا ہے جس کو باقاعدہ تعلیم کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔

کتاب کی اشاعت کے مؤثر اسباب

اس کام میں مصنف کی شہرت اور کتاب کی ظاہری جاذبیت سے بڑی مدد ملتی ہے اور بعض وقت کتاب کے موضوع کا کسی خاص مناسب وقت یا عمومی احساسات وجذبات سے ربط رکھنا بھی مؤثر ہوجاتا ہے۔ چنانچہ ہوشیار اہلِ قلم وقت و موقع دیکھ کر موضوع اختیار کرتے ہیں اور ان کی تصنیف کو اس طرح مقبولیت حاصل ہوجاتی ہے۔ اسی طرح بعض دارالاشاعت وقت اور عمومی جذبات اور تقاضوں کے لحاظ سے تصنیف کرواتے یا تصنیف کو طبع کرتے اور پھیلاتے ہیں، اور اس تجارت سے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔ لیکن اس مذکورہ بالا صورت میں حق و باطل، ضمیر و بے ضمیری، انصاف و بے انصافی پر اتنی نظر نہیں رکھی جاتی جتنی طلب جاہ و مال پر رکھی جاتی ہے اور اسی کا حصول مقصود ہوتا ہے۔ اسی لئے عام طور پر غیر سنجیدہ اور لطف پرور موضوعات پر کتابیں زیادہ مقبول و رائج ہوجاتی ہیں اور لوگ اس راہ سے خوب کمائی کرتے ہیں۔ خواہ مصنف ہوں، خواہ طابع، خواہ ناشر۔ اور ان کے پڑھنے والوں کی ذہنی و جذباتی تربیت اسی نامناسب اور مضر خیالات و اخلاق پر ہوتی ہے۔

اشاعتِ کتب میں مقصدیت

لیکن ضمیر و حق و مقصدیت کے قائل اور طالب صحیح، سنجیدہ اور ٹھوس مقصد

www.abulhasanalinadwi.org

ہی کو اختیار کرتے ہیں خواہ اس راہ سے ان کو منفعت زیادہ نہ ہو، سماجی تربیت کے موضوع میں بھی وہی تصنیفات و مطبوعات آتی ہیں جو قارئین کے علم و ثقافت اور اخلاق و دین کو مدد پہونچاتی ہوں۔ اور تربیتی مقصد کو پورا کرتی ہوں، وہی کتابیں بامقصد ہوتی ہیں۔ اسی لئے کتابوں اور تصنیفات کی اشاعت و ترویج تنہا انفرادی کوششوں سے کمتر حاصل ہوتی ہے۔ اس کام کو عموماً دارالاشاعت قسم کے ادارے زیادہ کامیابی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔

اکیڈیمی

دارالاشاعت عموماً دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک صرف تجارتی مقصد والے اور دوسرے علمی مقصد والے۔ اوّل الذکر تو مقصدیت پر زیادہ توجہ نہیں دیتے۔ لیکن ان کی شائع کردہ کتب سے قارئین پر پورا اثر پڑتا ہے اور ان کے اخلاق و ذہن کی تربیت اسی کے مطابق ہوتی ہے۔ لیکن آخر الذکر دارالاشاعت مقصد کو زیادہ پیش نظر رکھتے ہیں، یہ دارالاشاعت اکیڈیمی کہلاتے ہیں۔ یہ بعض وقت باقاعدہ مصنفین کو اپنے سے وابستہ رکھتے ہیں بلکہ مصنفین سازی کا کام بھی انجام دیتے ہیں۔ یہ اکیڈیمیاں ایسے وسائل بھی اختیار کرتی ہیں جن سے مفید اور اچھے موضوعات سامنے آئیں اور اکیڈیمیوں کے اپنائے ہوئے مقصد کو مدد پہونچاتے ہوں ـــــ اس لئے وہ مشاورتی اجتماعات بھی کرتی ہیں اور مذاکرہ علمی کے جلسے بھی منعقد کرتی ہیں۔ اس کے لئے وہ موضوع سے متعلق کتابوں اور مراجع کو جمع کرنے اور مقصد کو مدد پہونچانے والی کتابوں کا اچھا کتب خانہ بھی قائم کرتی ہیں تاکہ مصنفین کی تربیت ہو اور ان کو کام کرنے میں مدد ملے اور سہولت ہو۔

www.abulhasanalinadwi.org

اکیڈیمی کی دشواریاں

اکیڈیمیوں کا کام چونکہ مالی طور پر نفع بخش کم اور مصارف کے لحاظ سے زیادہ بوجھ والا ہوتا ہے اس لئے اکیڈیمیوں کو یا تو حکومت کی سرپرستی حاصل کرنا پڑتی ہے اور یا اپنے ساتھ کچھ کاروباری طرز کا سلسلہ بھی رکھنا پڑتا ہے جس سے مالی مدد ملتی ہے۔

موجودہ دور میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت بڑھ جانے کی وجہ سے مذکورہ بالا مختلف طریقوں سے حاصل ہونے والی کتابوں سے سماجی تربیت کا بڑا کام انجام پا رہا ہے۔ یہ لٹریچر جتنا اصلاحی، علمی، ادبی اور مذہبی اصولوں کے مطابق ہوتا ہے اتنا ہی مذکورہ مقاصد کو فائدہ پہونچاتا ہے اور جتنا ان سے دور ہوتا ہے اتنا ان مقاصد کے لئے بے سود بلکہ مضر ہوتا ہے۔

---

www.abulhasanalinadwi.org

اَدبی لٹریچر

ادبی رنگ

لٹریچر میں وہ حصّہ جس کا رنگ بڑی حد تک ادبی ہوتا ہے پڑھنے والوں میں زیادہ مقبول اور مؤثر ہوتا ہے اور اس کے مضمون و مقصد سے پڑھنے والے زیادہ اخذ کرتے ہیں۔

وجدان و نفسیات کی رعایت

اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ادبی موضوع اور ادبی زبان میں ان پہلوؤں کی رعایت کی جاتی ہے جو براہ راست انسانی وجدان و نفسیات پر اثر انداز ہوتے ہیں اور کسی بھی عبارت میں ان پہلوؤں کی رعایت اس عبارت کی طاقت کو بہت بڑھا دیتی ہے۔ اسی لئے شعراء اور خطباء جن کے کلام میں ان پہلوؤں کی رعایت زیادہ ہوتی ہے۔ سننے والوں کے دلوں کو زیادہ متاثر کرتے ہیں۔ شعر و خطابت کے علاوہ تحریر و انشاء میں بھی یہ طاقت اس وقت پیدا ہو جاتی ہے جب اس میں بھی مذکورہ بالا پہلوؤں کی رعایت کی جاتی ہے۔ اسلام

www.abulhasanalinadwi.org

سے قبل عرب شعراء اور خطباء ہی کا کلام سننے کے عادی تھے اور ان کے دلوں پر ان ہی کے کلام کا اثر پڑتا تھا۔

قرآن مجید کے ادبی اثرات

جب اسلام آیا تو قرآن مجید جو کتاب ہدایت ہے اور مذہبی تعلیمات اور اخلاقی اصلاح کے موضوعات پر مشتمل ہے، اتنا اثر انداز ہوا جتنا عربوں کی شعر و خطابت اثر انداز نہیں ہو سکی تھی۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ وہ بلاشبہ پروردگار کا کلام ہے جس کی قدرت میں ہر طرح کی اثر پذیری ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کلام کی عبارت میں جس کا موضوع ادب و شاعری نہیں بلکہ وہ ہدایت و اصلاح کا کلام ہے جس میں سنجیدہ اور مثبت طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے۔ وہ طاقت و اثر پایا جاتا ہے جو عربوں کی موثر طاقت ور شاعری میں بھی نہیں پایا جاتا۔ اس کلام الٰہی میں ان پہلوؤں کی پوری رعایت کی گئی ہے جو مخاطبین کے وجدان اور نفسیات پر مثبت اور سنجیدہ انداز سے بہت زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ قرآن مجید کی عبارت کا یہ پہلو اہل بلاغت و ادب کے نزدیک اپنی طاقت و اثر میں معجزہ کے معیار کا ہے۔ چنانچہ قلوب و نفوس پر اس کا بے انتہا اثر پڑا اور نہ معلوم کتنے افراد تھے جو اس کی اس طاقت سے مسحور اور اس کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔ اور آج بھی جب اس کے پڑھنے والوں کا قلب و دماغ اس کو مثبت اور حاضر الذہنی کے ساتھ لیتا ہے تو اس میں اس کا وہی تاریخی اثر عود کر آتا ہے اور اسی سے ملتے جلتے نتائج سامنے آجاتے ہیں

قرآن مجید کے اسوہ کا اثر

قرآن مجید کی بلاغت ہم کو یہ بتاتی ہے کہ عبارت میں جب بھی وجدان و نفسیات

www.abulhasanalinadwi.org

انسانی کی رعایت رکھی جائے گی عبارت کی طاقت بڑھ جائے گی۔ چنانچہ عہد صحابہ اور عہد تابعین میں اس پہلو کو اختیار کیا گیا۔ ان زمانوں کے مصلحین، واعظین اور اہل قلم کے یہاں ایسا شستہ اور دل نشین اور پرکشش اسلوب ملتا ہے جو ایک طرف سنجیدہ، تعمیری اور مثبت ہے اور دوسری طرف ان ادبی طاقتوں سے بھرپور ہے جو دلوں کو موہ لیتی ہیں اور دلوں میں گھر کر جانے والی ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت حسن البصری، ابن الجوزی، سیدنا عبدالقادر جیلانی کی مثالیں اچھی مثالیں ہیں۔

اچھا ادب اور بُرا ادب

لیکن اگر ادب کی طاقت کو غیر تعمیری موضوعات میں استعمال کیا جائے تو وہ طاقت غیر تعمیری مقاصد کو مدد پہونچاتی ہے۔ اس لئے ادب کا نتیجہ دراصل ادب کو استعمال کرنے والے کے ارادہ اور مقصد کا تابع ہوتا ہے اور اس طور پر ادب کا میدان ہم کو خیر و شر دونوں میں ملتا ہے اور ادب کی دُنیا میں اچھے اور بُرے دونوں نظر آتے ہیں۔

ادب میں لذّت

ادبی رنگ کا وجدان و نفسیات پر جو اثر پڑتا ہے وہ اثر ایک ذہنی لذت کا باعث ہوتا ہے۔ یہ لذت کبھی میٹھی ہوتی ہے اور کبھی ترش۔ اس کی مٹھاس اور ترشی، ادبی عبارت میں پیش کیے جانے والے موضوعات اور ان موضوعات کے قاری و سامع کی نفسیات سے جو کہ بعض وقت جذباتی ہوتی ہے اور بعض وقت عقلی و ذہنی ہوتی ہے، مطابقت رکھتی ہے۔ ادیب کا کام ان باتوں کو سمجھنا اور

www.abulhasanalinadwi.org

اپنے الفاظ و اسلوبِ بیان کو اس کے لحاظ سے لانا ہوتا ہے۔

ادب کو صرف لذّت تک محدود رکھنا

جو ادیب صرف لذت کو ہی بنیاد و مقصد بناتے ہیں اور ان کے پیش نظر کوئی تعمیری یا اصلاحی مقصد نہیں ہوتا وہ اپنے مضمون و موضوع کو اسی دائرہ میں رکھتے ہیں۔ اس کے لئے ان کو ایسے ذرائع اختیار کرنے میں بھی کوئی تامل نہیں ہوتا، جو اس لذت میں جائز و ناجائز اضافہ کا باعث بنتے ہیں۔ وہ انسان کے اندر جو دوسرے احساساتِ لذّت ہیں ان سے بھی فائدہ اُٹھانے اور ان کو بھی شامل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سفلی احساسات سے لذت

ان احساساتِ لذّت میں وہ بھی ہیں جن میں دوسرے کو ایذا پہونچا کر لطف محسوس کرنا، اپنی سفلی خواہشات سے ہم آہنگی پاکر لطف محسوس کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ بے جا فخر، ہجو، استہزار، فحاشی، بے حیائی، عریاں مضامین، فاسقانہ موضوعات جو کہ انسان کی سفلی خواہشات سے ہم آہنگی رکھتے ہیں۔ ایسے ادیبوں کے عام مضامین ادب بنتے ہیں جن کے یہاں تعمیری اور مثبت مقصد و مزاج نہیں ہوتا۔

سفلی ادب کا مزاج

اور چونکہ عوام الناس کا عمومی مزاج پست ہوتا ہے اس لئے مذکورہ بالا تخریبی ادب عام طور پر جلد رائج ہوجاتا ہے اور جب ماحول میں بگاڑ غالب ہو تو

www.abulhasanalinadwi.org

ایسا ادب زیادہ مقبول ہوتا ہے پھر اس کی مسلسل زیادتی یہ ذہن بنا دیتی ہے کہ ادب کا مطلب ہی بیباک اور سفلی جذبات کے حامل مضامین ہے، چنانچہ شعراء کے کلام میں اور ادبی نثر نگاروں میں یہ رنگ نسبتاً غالب ملتا ہے۔ اس ادب سے دلچسپی دراصل ادب شناسی نہیں بلکہ ادب ناشناسی ہے کہ اس میں اچھا ماحول بنانے کے بجائے برا ماحول بنایا جائے۔

وجدان کی حقیقت و طاقت

وجدان دراصل انسان کا وہ شعور ہے جو کسی خاص عقلی بنیاد کا پابند نہیں ہے۔ وہ خود بخود اور اندرونی احساس سے ابھرتا ہے اور کسی چیز کو اچھا سمجھتا ہے اور کسی کو برا، کسی چیز میں لطف محسوس کرتا ہے اور کسی میں اذیت۔ وہ خود اپنے اس شعور کی توجیہ نہیں کر پاتا۔ ادیب دراصل اسی شعور کو مخاطب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ ادب میں وجدان کی جلوہ گری جگہ جگہ نظر آتی ہے۔

ادب کے مؤثر اقدام

ادب کے انہی پہلوؤں کے لحاظ سے ادب کی متعدد قسمیں بن چکی ہیں۔ اس میں شاعری و خطابت کے علاوہ، حکایت و قصہ جس کو افسانہ اور ناول میں تقسیم کیا جاتا ہے، ادب کی مؤثر قسموں میں سمجھا جاتا ہے، اور ادب کے موضوعات کو اختیار کرنے والے زیادہ تر انہی اقسام کو اپنا میدان بناتے ہیں۔ اس عہد میں افسانہ و ناول و ڈرامہ اور شاعری ادبی کاموں میں زیادہ اہم رول انجام دینے لگی ہے اور طباعت و اشاعت کے ذرائع حاصل ہو جانے کے بعد تو اس میں بڑی عمومیت پیدا ہو گئی ہے اور اس طرح لوگوں کے ذہنوں، احساسات

www.abulhasanalinadwi.org

اور رجحانات کے بنانے بگاڑنے میں ادب آجکل اس راہ سے بہت اثر انداز ہو رہا ہے۔

موجودہ اجتماعی تربیت کے موضوع میں ادبی کاموں کو اور خاص طور پر افسانہ و ناول و ڈرامہ کے رواج کے اثرات کو کم نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اجتماعی تربیت کے میدان میں یہ ادبی ذریعہ بھی ایک مؤثر اور اہم ذریعہ ہے۔

---

www.abulhasanalinadwi.org

صحافت

صحافت مسلسل اشاعتی ذریعہ

پریس کے وجود میں آنے اور اپنی بات کو دوسروں تک پہونچانے کا یہ وسیع الآفاقی ذریعہ حاصل ہوجانے سے جہاں کتابوں کی اشاعت اور مختلف موضوعات پر لٹریچر کی تیاری کا راستہ ہموار ہوا وہاں ایک مسلسل اشاعتی ذریعہ بھی وجود میں آیا اور یہ ذریعہ صحافت کا ذریعہ ہے جس کے وجود میں آجانے کی تاریخ پریس کے وجود میں آنے کی تاریخ سے بھی مختصر ہے۔

صحافت ایک آلیق

صحافت کا فائدہ لٹریچر اور کتابوں کی اشاعت کے فائدہ سے بڑھا ہوا ہے اور وہ فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ روز بدلتے ہوئے اور وقت وقت کے موضوعات اور خیالات کو بآسانی لوگوں تک پہونچایا جاسکتا ہے اور بڑی حد تک ایک آلیق کا کام لیا جاسکتا ہے جو خیر و بد کی طرف توجہ دلائے لیکن یہ بات اسی وقت ہوگی جب صحافت سے کام لینے والے کا مقصد تعمیری ہو ورنہ اس موثر ذریعۂ اثر سے لوگوں کو بگاڑنے کا کام لیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ جیسی غذا اور رہنمائی ملے گی، ویسی

www.abulhasanalinadwi.org

نشوونما اور تربیت ہوگی۔

صحافت، رسائل اور اخبار

صحافت کی اصل اہمیت اس وقت سامنے آتی ہے جب صحافت روزنامہ اخبار یا اسی کے قریب و مماثل ہوتی ہے۔ اس میں پڑھنے والے کو تقریباً روزانہ اس طور پر رہنمائی حاصل ہوتی ہے جیسے رائب غذا ملتی ہو یا روزانہ کا بالتسلسل درس ہوتا ہو۔

صحافت کی دوسری قسم ماہانہ یعنی رسائل یا اس کے مماثل صحافت کی قسم ہے اس میں وقفوں کی مدت نسبتاً طویل ہونے کے باعث اس طرح کی اثرپذیری نہیں ہوتی جیسی روزانہ کی صحافت میں ہوتی ہے۔ ان دونوں طرح کی صحافتوں کا تذکرہ علیحدہ علیحدہ کرنا مناسب ہوگا۔

رسائل کا مزاج

ماہانہ یا اس کے مماثل صحافت کا طرز و مزاج ایسا ہوتا ہے کہ اس کی زیادہ افادیت علمی یا ادبی میدانوں اور دائروں میں محسوس کی جاتی ہے اور وہ زیادہ تر انہی خطوط پر رائج بھی ہوتی ہے۔ اس صحافت میں علمی، ادبی کے ساتھ مذہبی، سماجی اور دیگر مماثل موضوعات بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن وہ بھی اس طرح کہ ان میں علمی یا ادبی پہلو شامل ہو کیونکہ ماہانہ صحافت کا مزاج مجموعی طور پر زیادہ سنجیدہ اور نسبتاً نظری طرز کا ہوتا ہے۔ اس لئے یہ وقفے سے ملنے پر مناسب اثر ڈالتی ہے اور آدمی بھی اس صورت میں اس سے فائدہ اچھا اٹھا سکتا ہے ورنہ وہ اس کے لئے خوش گواری اور دلچسپی کے ساتھ

www.abulhasanalinadwi.org

قبول کئے جانے کے حال میں نہیں ہو سکتی۔

ماہانہ صحافت کا ضابطہ

اسی لئے اس طرح کی صحافت میں وقفوں کے طویل ہونے کا زیادہ اثر نہیں پڑتا۔ لیکن وقفوں میں بے ترتیبی اور بے ضابطگی، اس کی مقبولیت پر اثر انداز ہوتی ہے، اس لئے اس طرح کی صحافت والے کو اپنا ایک وطیرہ بنانا پڑتا ہے جس پر اس کو عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً اگر مہینہ مہینہ پرچہ نکالنا ہے تو اس کی پابندی کرنا ہوگی اور اگر اس سے زیادہ وقفہ اختیار کرنا ہے تو اس کی پابندی کرنا ہوگی۔ مہینہ مہینہ سے کم وقفہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں صحافت کے مزاج کو نسبتاً دل چسپ بنانا ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً بعض پرچے پندرہ روزہ ہوتے ہیں، اور بعض ہفتہ وار بھی۔ لیکن ان کا طرز ماہانہ صحافت اور روزانہ صحافت کے درمیان ہوتا ہے۔ یہ پرچے اگرچہ ماہانہ صحافت کے اصول پر نکالے جاتے ہیں لیکن ان کا انداز ایسا رکھنا پڑتا ہے کہ روزانہ صحافت کے بعض پہلوؤں سے ہم آہنگ ہو، مثلاً بعض مشتملات روزانہ صحافت کے مزاج کے ہوں۔

ماہانہ صحافت کا دائرہ عمل

ماہانہ صحافت کا بنیادی مزاج چونکہ علمی ادبی ہوتا ہے اس لئے اس کے پڑھنے والے اور فائدہ اٹھانے والے بھی کم اور خاص استعداد کے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کا علمی و ادبی معیار عام انسانوں کے معیار سے نسبتاً بلند ہوتا ہے، اور ان کا ذوق استفادہ بھی الگ معیار کا ہوتا ہے۔ اسلئے ماہانہ رسالوں کے پڑھنے والوں کی تعداد روزانہ اخبارات کے پڑھنے والوں کے

www.abulhasanalinadwi.org

کے مقابلہ میں کم ہوتی ہے۔ اور اس کا اثر ان رسالوں کے اخراجات کے پورا ہونے پر پڑتا ہے۔

حلقۂ ناظرین اور مواد

صحافت میں اس بات کا لحاظ سب سے پہلے کرنا ہوتا ہے کہ پڑھنے والوں کا حلقہ کیا ہوگا اور کیا تعداد ہوگی، اور اس کا انحصار اس پر ہوتا ہے کہ لوگوں کا کیا ذوق، کیا استعداد اور کیا خیالات ہیں، رسالوں کی صورت میں علمی و ادبی استعداد اور آراء و افکار کے لحاظ سے معاملہ کو دیکھنا پڑتا ہے۔ لوگ صحافت کے مواد کے انتخاب میں یا تو متعدد پہلوؤں کو جمع کر لیتے ہیں اور یا علیحدہ علیحدہ پہلوؤں کے لحاظ سے ایک یا صرف دو پہلوؤں تک محدود کر لیتے ہیں۔ مثلاً وہ رسالے جو اجتماعیات یا سائنس یا علمی افکار کے موضوع کو خاص بنا لیتے ہیں۔ یا وہ رسالے جو ادبیات اور فن کے بعض پہلوؤں کو خصوصیت کے ساتھ اختیار کر لیتے ہیں یا وہ رسالے جو مذہبیات کے ساتھ وابستگی اختیار کرتے ہیں۔

ادبی چاشنی

ان میں سے ہر نوع کے ساتھ کسی نہ کسی حد تک ادبی چاشنی اور جاذبیت ضروری ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنے پڑھنے والوں کے لئے ایک عام کشش اور جاذبیت کا باعث بنتی ہے، اور پڑھنے والوں کو اپنے سے وابستہ رکھتی ہے ورنہ اگر رنگ صرف تعلیم و تلقین و نصیحت کا ہو تو اس کی طرف مائل ہونے والے کم ہوں گے، اور جو مائل ہوں گے تو وہ بھی زیادہ قائم نہیں رہ سکتے۔

---

www.abulhasanalinadwi.org

اچھے اور بُرے مقاصد

انہی مقاصد کی بنا پر رسالے نکالنے والے کسی نہ کسی طرح کی چاشنی یا جاذبیت کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ اہتمام بعض لوگوں کے یہاں بے حدود و بے ثغور ہوجاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے یہاں ضمیر اور حق و باطل کا مسئلہ نہیں ہوتا، صرف اپنے رسالہ کو مقبول عام بنانا اور بڑھانا ہوتا ہے اور اس کا مقصد کبھی تو اپنے اغراضِ دنیویہ کا حصول ہوتا ہے اور کبھی مال و آمدنی کا حصول، یہ لوگ اپنے رسالوں کو خواہشات نفس کو اُبھارنے اور اس کو غذا پہونچانے کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور اس طرح نفس بشری کو متحرک کرکے اپنے وابستگان کی تعداد بڑھا دیتے ہیں اور اس راہ سے اپنے رسالوں کی فروخت اور اس کے ذریعہ آمدنی کی افزونی کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔
ایسے رسالوں سے ایک طرف تو ان کے مالکوں کی آمدنیاں بڑھتی ہیں اور سستے مادی فوائد حاصل ہوتے ہیں اور دوسری طرف خلق خدا فساد اور اخلاقی و دینی بگاڑ کی طرف رواں دواں ہوجاتی ہے اور ان رسالوں کے نکالنے والے اس آیتِ قرآنی کے مضمون میں داخل ہوجاتے ہیں۔ ——

إن الذين يحبون أن تشيع الفاحشة في الذين آمنوا فلهم عذاب أليم في الدنيا والآخرة الخ۔ یعنی "بیشک جو لوگ چاہتے ہیں کہ بُری باتیں ان لوگوں میں عام ہوجائیں جو ایمان لائے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے دُنیا اور آخرت میں۔"

مذکورہ بالا مادی مقاصد والے رسالوں کی فہرست میں وہ رسالے بھی آتے ہیں جو خالص مادی یا مذہبی قدروں کے برخلاف مقاصد کو اپناتے ہیں۔ ان رسالوں سے بھی سوسائٹی میں زہر پھیلتا ہے اور انسانوں کا تعلق اپنے پروردگار سے ٹوٹتا اور بگڑتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

رسالوں کا عمومی انداز۔ تنوع

عام انداز کے رسالے متعدد موضوعات کو جمع کرنے کو بہتر سمجھتے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کو مختلف ذائقوں کا سامان مہیا ہو، ان میں بعض مضامین علمی، بعض اجتماعی، بعض سائنسی، بعض ادبی اور بعض مذہبی و اخلاقی بھی ہوتے ہیں اور یہ بدل بدل کر کم و بیش ہوتے رہتے ہیں۔ ایسے رسالوں کے پڑھنے والوں کی تعداد بھی نسبتاً زیادہ ہوتی ہے کیونکہ پڑھنے والوں کا خیال ہوتا ہے کہ ان کو اپنی اپنی پسند کی کوئی نہ کوئی چیز مل ہی جائے گی، اور جو رسالے صرف دو ایک موضوعات تک اپنے کو محدود رکھتے ہیں ان کو اپنا حلقہ دیکھنا پڑتا ہے۔ اسی حلقے کے مطابق ان کو مقبولیت ہوتی ہے۔ مقبولیت کے لئے بعض دوسرے ذرائع مثلاً اشتہار یا رسالہ کو متعارف کرانے کے لئے کوشش کرنے سے بھی اثر پڑتا ہے۔ لیکن پھر بھی اصل بنیاد حلقہ کی موجودگی ہے اور اسی پر کامیابی کا زیادہ انحصار ہوتا ہے۔

رسالہ کے مضامین متنوع و مختلف رکھے جاتے ہیں تاکہ یکسانیت اکتاہٹ کا باعث نہ بن جائے۔ پھر اس کے لکھنے والے بھی مختلف اشخاص ہوتے ہیں اور ان لکھنے والوں کے پسند کرنے والے بھی اپنے اپنے اہل قلم سے نسبتاً وابستہ ہو جاتے ہیں۔ یہ اسباب بھی رسالوں کی اشاعت اور مقبولیت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اور انہی اسباب کی بنا پر رسالہ کے مضامین میں تنوع اور اس کے لکھنے والوں میں بھی تنوع اختیار کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

متعینہ پالیسی کی پابندی اور مقالہ افتتاحی

اس مذکورہ بالا تنوع کو قائم رکھتے ہوئے ہر رسالہ کو اپنی ایک متعینہ پالیسی

www.abulhasanalinadwi.org

کو بھی قائم رکھنا پڑتا ہے اور وہ اس رسالہ کا وہ خط ہوتا ہے جس پر رسالہ گامزن رہتا ہے اور اس سے اس کی مقصدیت اور رُخ متعین رہتا ہے۔ اس کے لئے ہر رسالہ میں ایک مضمون جو ابتدا میں ہوتا ہے، عموماً ایک شخص کے قلم سے اور بنیادی اور اہم ہوتا ہے اور وہ رسالہ کی متعینہ پالیسی اور رُخ کو ہر ماہ ظاہر کرتا رہتا ہے اسی مضمون کو بنیادی مضمون سمجھا جاتا ہے۔ اس کو مختلف لوگ مختلف ناموں سے موسوم کرتے ہیں مثلاً اداریہ۔ حرفِ اولیں۔ نگاہِ اولیں۔ شذرات وغیرہ۔

---

www.abulhasanalinadwi.org

روزنامہ صحافت کا اثر و اہمیت

روزنامہ اور اس کی ہم طرز صحافت اپنے اثرات کے لحاظ سے ماہانہ اور اسکی ہم طرز صحافت سے بہت بڑھی ہوئی ہے۔ اس صحافت میں روزانہ تعلیم کے طور پر اس کے پڑھنے والوں کو ذہنی اور جذباتی غذا ملتی ہے اور پڑھنے والوں پر اس کے اثرات بتدریج نقش بناتے ہیں۔

روزنامہ صحافت ایک کامیاب آتالیق

اور جو لوگ صحافتی مطالعہ کے خوگر بن جاتے ہیں ان کے لئے تو یہ صحافت ایک کامیاب آتالیق اور معلم کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے جس سے ان لوگوں کو آزاد کرانا یا اس کے بنائے ہوئے ذہنوں کو بدلنا آسان نہیں ہوتا۔

صحافت کا کردار کاروبار میں

مغربی تمدن کی لائی ہوئی زندگی کا طرز بھی ایسا ہی ہے کہ اس میں جمہور پر اثر ڈالنے کا سب سے ہمہ گیر ذریعہ صحافت ہے، اسی لئے صحافت کے ذریعہ کا استعمال مغربی تمدن میں بہت ہے اور یہ صرف اخلاقی یا اجتماعی مقاصد ہی تک محدود نہیں بلکہ تجارتی اور کاروباری مقاصد میں بھی اسی زور اور طاقت کے ساتھ اختیار کیا جاتا ہے چنانچہ متمدن ترین ملکوں میں جہاں مادی اور کاروباری زندگی ہی اصل زندگی بنی ہوئی ہے اور جہاں ہر چیز مادی نفع و ضرر کے شیشے میں دیکھی جاتی ہے تجارت و کاروبار کی ترقی و ترویج کا سب سے اہم ذریعہ یہی صحافت ہو گیا ہے، وہاں روزنامہ کے اخبار پچاس پچاس

www.abulhasanalinadwi.org

ستر ستر صفحات کے ہوتے ہیں لیکن ان میں آٹھ دس صفحے زندگی کے عام اجتماعی موضوع سے متعلق ہوتے ہیں۔ کچھ صفحات فن و تفریح پر مشتمل ہوتے ہیں اور باقی صفحات تجارت و مادی کاروبار سے متعلق ہوتے ہیں۔

اخباری صحافت ایک وسیع ذریعہ اتصال

متعدد جہتوں سے اخباری صحافت موجودہ متمدن زندگی کا سب سے وسیع ذریعہ اتصال کی حیثیت اختیار کر چکا ہے، بلکہ اجتماعی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں ہونے والے واقعات و تغیرات و رفتار زندگی سے واقفیت کا سب سے وسیع اور اہم ذریعہ ہو گیا ہے۔

موضوعات کے لحاظ سے جامعیت

اس اخبار کی وسعت و آفاقیت کی وجہ سے اس میں زندگی کے تمام مروجہ پہلوؤں کو جمع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس میں حوادث اور وقتی واقعات، مسرت اور غم کی خبریں، تقریبات، اجتماعات، بیانات و اعلانات، سیاسی حالات اور ان پر تبصرے ثقافتی و آسان و دلچسپ علمی، و ادبی مضامین، مزاحیہ قطعات اور اس طرح کے دیگر موضوعات ہوتے ہیں۔ اور اس تنوع کی وجہ سے ایک ہی اخبار میں زندگی کے مختلف پہلوؤں سے تعلق رکھنے والے اپنے ذوق و مطلب کی خبریں اور معلومات حاصل کرتے ہیں۔ اور اس کی وجہ سے تقریباً تمام لوگ اخبار کو روزانہ دیکھنے اور اس کا بقدر خواہش مطالعہ کرنے کو زندگی کا ایک ضروری عمل سمجھتے ہیں۔

اور جب کوئی شخص اخبار میں صرف اپنے مطلب کی چیزیں دیکھنا چاہتا ہے تو غیر ارادی طور پر ان خبروں، واقعات اور بیانات کو دیکھ لیتا ہے۔ جو اصلاً اس سے متعلق نہیں ہوتے، لیکن سرخیوں سے اس کو ان میں قابل توجہ بات محسوس ہوتی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور خاص طور پر جب سرخی سے اس کے اندر کے مضمون کی اہمیت یا جاذبیت کا اندازہ ہوتا ہو، اس لئے کہ ایک ہی سلسلے میں مطلوبہ مضمون دیکھنے کے ساتھ ساتھ دیگر دلچسپ مضمون بھی بلا کسی اضافی کوشش کے حاصل ہو جاتے ہیں۔ اخبار نکالنے والے اپنے قارئین کی اس نفسیات کو سمجھتے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور قارئین کی دلچسپی کی چیزوں کے ساتھ اپنے مطلب کی چیزیں بھی پڑھوا لیتے ہیں۔

سرخیوں کا کام

ناظرین اخبار کو صاحبِ اخبار کے مطلب کی باتیں پڑھوانے کے لیے سرخیوں کی ترتیب اور ان کی ادبی ترکیب بہت اہم عامل کی حیثیت رکھتی ہے، اس سے بہت کام لیا جاتا ہے اور اخبار کی کامیابی اور مقبولیت میں اس کا بہت زیادہ اثر پڑتا ہے، اس میں اخبار نکالنے والوں کی ذہانت اور علمی و ادبی قابلیت کو زیادہ دخل ہوتا ہے۔

مقاصد کا معاملہ

جہاں تک مقاصد کا تعلق ہے، مختلف لوگ مختلف مقاصد کو اپناتے ہیں اور ان مقاصد کے حصول کے لئے اس اہم ذریعہ اتصال کو استعمال کرتے ہیں۔ بعض کا مقصد سیاسی ہوتا ہے۔ وہ خبروں کے انتخاب، پھر ان خبروں کے پیش کرنے کے طریقے و اسلوب میں وہ رویہ اختیار کرتے ہیں جس سے ایک خاص متعین ذہن کے بننے میں مدد ملے اور دیگر ذہنوں کے اثرات ختم ہوں، بعض کا مقصد تجارتی ہوتا ہے۔ وہ اخبار کے ذریعہ اپنے کاروبار کو مدد پہونچانا چاہتے ہیں۔ وہ خبروں اور تبصروں کے ذریعہ کوئی خاص سیاسی ذہن نہیں بناتے بلکہ اخبار کی خبروں، تبصروں اور اس کے اسلوب و

www.abulhasanalinadwi.org

طریقہ نیز موضوعات کے انتخاب میں وہ رویہ اختیار کرتے ہیں جن سے ان کے کاروبار کو فائدہ پہونچتا ہو۔ یہ فائدہ مالی بھی ہو سکتا ہے مثلاً یہ کہ اخبار کی اشاعت زیادہ ہو اور اس سے نفع حاصل ہو، کاروبار، تجارت کی ترقی نیز اس کی شہرت و وجاہت کا فائدہ ہو۔

صحافت فاشسٹ، کمیونسٹ اقتدار میں

اوّل الذکر اخبار میں جس کا مقصد سیاسی ہوتا ہے، موجودہ زمانہ میں، عام طور پر غیر منصفانہ طریقہ سے حصول مقصد کی کوشش کی جاتی ہے۔ کمیونسٹ ذہن اور فاشسٹ اقتدار میں تو یہ اخبار محض ایک مخصوص پارٹی یا حکومتِ وقت کا بے لطف خبر نامہ بن کر رہ جاتا ہے جس میں عوام کی دلچسپی اور فائدہ کی باتیں نہ ہونے کے برابر اور انصاف و حق شناسی کا رویہ بالکل مفقود ہوتا ہے لیکن لفظ لفظ سے یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ یہ سب عامۃ الناس کے مفاد کی خاطر کیا جا رہا ہے اور عوام اور صرف عوام ہی اس سارے معاملہ کی پشت پر ہیں اور یہ بھی باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اس سے بہتر اور مفید اخبار اور کوئی نہیں ہے۔ یہ بات کمیونسٹ حکومت ہونے کی صورت میں اپنے منتہیٰ تک پہونچ جاتی ہے بلکہ جمہور کی معلومات اور دُنیا سے واقفیت کے لئے صرف یہی ایک کھڑکی کھلی رکھی جاتی ہے۔ باقی دیگر معلوماتی کھڑکیاں بند کر دی جاتی ہیں۔

صحافت سرمایہ دارانہ نظام میں

آخر الذکر اخبار جس کا مقصد تجارتی اور کاروباری ہوتا ہے وہ اخبار کی اشاعت کے سلسلہ میں مادی نفع کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ یہ رجحان عموماً جمہور کی اخلاقی مصالح سے

www.abulhasanalinadwi.org

متصادم ہوتا ہے لیکن اخبار کے ذمہ دار اس نقصان کو نظر انداز کرتے رہتے ہیں، بلکہ عام طور پر عوام کی لذت پسندی کی نفسیات سے ہی فائدہ اٹھایا جاتا ہے، اور ان کے سامنے ایسا مواد لایا جاتا ہے جو ان کے لئے لذت انگیز ہو خواہ یہ لذت ان کے اخلاق مذہب اور ذہنی عفت کو کتنا ہی برباد کرنے والی ہو، مغربی تمدن کے لائے ہوئے نظام میں یہی رویہ زیادہ تر ملتا ہے۔

صحافت کا فنی نظام

اخبار کے سلسلے میں مقصد کے علاوہ اخبار کی ترتیب میں اصول وضوابط کا ایسا لحاظ کہ اخبار کی مثبت افادیت زیادہ سے زیادہ ہو۔ ضروری ہے تاکہ اخبار کی اشاعت کی افادیت حسب ضرورت حاصل ہو اس کے لئے خبروں کی ترتیب ضروری تبصروں کا التزام خبروں کے انتخاب وحصول کا نظم، اداریہ کا مزاج اور سنجیدگی، اخبار اور اداریہ کی زبان واسلوب کی خوبی اور حسن، سرخیوں کی ترتیب، اختصار وتفصیل خبروں اور جائزوں کے ساتھ، دیگر صحافتی لوازم جس میں جائز حدود میں تصویروں کا اہتمام، یہ سب باتیں اب مستقل فن بن چکی ہیں جن کی باقاعدہ تعلیم ہوتی ہے اور جو لوگ اس کو فن کے طور پر سیکھتے ہیں خواہ عملی طور پر اور خواہ تعلیمی طور پر وہ ایسی صحافت پر قابو پاتے ہیں جو زیادہ سے زیادہ اچھے نتائج کی حامل ہوتی ہے۔

بلیٹن

اخبار ورسائل جب وقت کی بالاقساط ترتیب سے نہیں نکالے جاسکتے یا اخبار و رسائل کے مقررہ اصولوں کی پوری پابندی ممکن نہیں ہوتی اور بعض مخصوص مقاصد یا اسلوب کے ساتھ پرچے نکالنا ضروری ہوتا ہے تو وقت اور مقررہ اصول کی پابندی

www.abulhasanalinadwi.org

کے بغیر بھی پرچے نکالے جاتے ہیں۔ یہ پرچے بلیٹن یا نشرات کہلاتے ہیں۔ یہ بلیٹن کبھی تو کسی ادارہ کے تعارف کے طور پر کبھی لوگوں سے ربط قائم کرنے کے مقصد سے اور کبھی کسی علمی ادارہ کی کوششوں کو منظر عام پر لانے کے لئے نکالے جاتے ہیں۔ اور ان کا وقفہ اشاعت حالات و موقع کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ بعض کا سہ ماہی اور بعض کا ششماہی اور سالانہ۔ اس صورت میں پرچہ ماہانہ رسالہ کے طرز کے قریب ہوتا ہے۔ اخباری طرز پر جو پرچے نکالے جاتے ہیں ان کا وقفہ عموماً پندرہ روزہ یا ماہانہ ہوتا ہے۔

انگریزی میں یہ پیریاڈیکل، بلیٹن کہلاتے ہیں اور عربی میں دوریات اور نشرات کہے جاتے ہیں۔

---

www.abulhasanalinadwi.org

بعض دیگر
ذرائع ابلاغ

صحافت ہی کے انداز کے بعض دوسری محدود قسم کے ذرائع ابلاغ بھی موجودہ تمدن نے پیدا کر دیے ہیں جن کے وجود کا باعث پریس کی ایجاد و رواج بنا ہے۔ وہ ذرائع ابلاغ پوسٹر اور بورڈ کی صورتیں ہیں جن کو موجودہ متمدن زندگی میں خاصا استعمال کیا جاتا ہے اور جن کا اثر ذہن و جذبات کو متاثر کرنے میں نیز ثقافتی و اخلاقی ذہن بنانے میں خاصا پڑتا ہے۔

پوسٹر، اشتہار

پوسٹر دراصل اخباری اشتہار ہی کی ایک شکل ہے لیکن اخباری اشتہار کے مقابلہ میں وہ اپنی علیحدہ اور زیادہ طاقتور اثرات کی مالک شکل ہے۔ اشتہار کو اخبار میں زیادہ بڑا نہیں بنایا جا سکتا۔ وہاں اخراجات بھی زیادہ آتے ہیں، اور اخبار کی جسامت محدود ہونے کے باعث گنجائش بھی کم ہوتی ہے لیکن پوسٹر کی صورت میں وہ ایک مکمل بڑے صفحہ پر، جو اخبار کے صفحے سے بعض وقت دوگنا اور تین چار گنا بھی ہو سکتا ہے، اشتہار دیا جا سکتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

پوسٹر کسی عام گذرگاہ پر لگایا جا سکتا ہے جس کو دور و قریب سے گذرنے والے بآسانی چند لمحوں میں پڑھ لیتے ہیں اور ایک ایک پوسٹر بعض اوقات سیکڑوں آدمیوں کی نظر سے گذر جاتا ہے اور اخبار کی طرح ایک روز میں ختم نہیں ہوتا بلکہ کئی کئی روز تک مسلسل اپنا عمل کرتا رہتا ہے اور پوسٹر کے مرتب کرنے والے کے مقصد و مراد کو پورا کرتا رہتا ہے۔

پوسٹر کے فنی اصول

پوسٹر کا مقصد چونکہ عامۃ الناس کو متاثر کرنا ہوتا ہے اس لئے اس میں ان کے احساسات و جذبات کو متاثر کرنے والی باتوں کا زیادہ لحاظ کیا جاتا ہے مثلاً ایسے اشارے اور جملے جو جلد دل و دماغ میں اتر جائیں تحریر و قلم کے ذریعہ پیدا ہونے والے اثرات کو بھی ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ یعنی قلم کی صحافت و خط کا تنوع اور اسکیم جو آرٹ سے تعلق رکھتی ہے اور پوسٹر کے مقصد کے لحاظ سے تصویری ذریعہ بھی استعمال کیا جاتا ہے، پوسٹر میں جلی سرخی کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔

سینما کے لوگوں نے پوسٹروں میں اصل ذریعہ تصویر ہی کو بنایا ہے اور باقی ذریعے اس کے بعد بلکہ صرف ضمنی ہوتے ہیں۔

دیواری اخبار

پوسٹر کے عمل نے تمدن کے متنوع تقاضوں کے بموجب متنوع شکلیں اختیار کر لی ہیں بلکہ یہ کبھی بڑھ کر بعض وقت دیواری اخبار کی صورت بھی اختیار کر لیتا ہے اور یہ عام طور پر ان جگہوں پر ہوتا ہے جہاں اخبار کے معاملہ میں حریت حاصل نہ ہونے کے سبب لوگ اپنی بات اس ذریعے کے علاوہ دوسرے ذریعہ سے

www.abulhasanalinadwi.org

عوام تک نہیں پہونچا سکتے۔ خاص طور پر یہ بات کمیونسٹ ملکوں میں ہوتی ہے جہاں ذرائع ابلاغ پر نہ صرف یہ کہ حکومت کا قبضہ ہوتا ہے بلکہ اس میں سوفی صدی حکومت کی خواہش کے علاوہ اور کوئی چیز شائع نہیں ہوسکتی۔ عوام کے کتنے ہی بڑے طبقہ کے خیالات حکومت کے خیال سے مختلف ہوں ان کو اخبار میں ایک انچ کی جگہ نہیں مل سکتی۔ ایسی صورت میں جب کوئی عوامی ابال تیز ہو جاتا ہے تو وہ ڈھکے چھپے ذرائع سے ظاہر ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ ان ذرائع میں اہم ذریعہ دیواری پوسٹر یا اخبار کا بھی ہے جو رات کے اندھیرے میں لگا دیا جاتا ہے اور عوام تک اس ذریعہ سے بات پہونچائی جاتی ہے۔

لیکن کبھی حکومتیں اس عوامی ذریعہ کو بغیر نام ظاہر کئے اپنے مخفی مقاصد کے لئے استعمال کرتی ہیں۔

پوسٹر ذریعۂ اعلان

پوسٹر کے ذریعہ اعلانات، دعوت، شرکت جلسہ، اور بعض وقتی تربیتی و اصلاحی مقاصد کی تکمیل بھی کی جاتی ہے۔ اور وہ اس کام میں مفید ہوتا ہے۔

تربیتی چارٹ

پوسٹر سے ملتی جلتی قسم علمی تربیتی چارٹ کی بھی ہوتی ہے جو تعلیم گاہوں میں مسجدوں میں، تربیتی اداروں میں اور مخصوص طبقات کے ماحول میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ یہ چارٹ عموماً طلبا یا زیر تربیت افراد کے لئے لگائے جاتے ہیں۔ ان سے یہ فائدہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کے سامنے آنے جانے والے افراد کی نظریں جب بار بار اس پر پڑیں گی تو بلا ارادہ اس کے مشتملات ذہن میں

www.abulhasanalinadwi.org

اتریں گے اور آسانی سے تعلیمی و تربیتی مقصد پورا ہوگا۔

اسی لئے تعلیم و تربیت کے نظام میں چارٹ کے استعمال سے فائدہ اٹھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اور ان میں ایسی اہم معلومات دی جاتی ہیں جو ان کے دیکھنے والوں کے لئے خاص اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ ان کے لئے اسلوب پیش کش نیز زبان مقصد کی تکمیل میں معاون بننے والی رکھی جاتی ہے۔

تعلیم گاہوں میں دیواری اخبار

تعلیم گاہوں میں دیواری اخبار کو طلباء کی علمی و صحافتی مشق کے لئے نیز اپنے محدود ماحول کے اندر رہتے ہوئے خیالات و نگارشات کو اپنے رفقاء تک پہونچانے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے اور وہ مذکورہ بالا مقصد کے لئے معتبر ذریعہ بنتا ہے۔

---

www.abulhasanalinadwi.org

صوتی و بصری ذرائع

صوتی ذرائع ابلاغ میں ریڈیو کی اہمیت

صوتی ذرائع ابلاغ میں سب سے اہم، دور رس اور وسیع الاثر ذریعہ ریڈیو بن چکا ہے۔ یہ تمدن جدید کے ایجاد کیے ہوئے ذرائع میں سب سے اہم ذریعہ ہے۔ جس کے توسط سے موجودہ تمدنی معاشروں تک بات پہونچانا آسان ہوتا ہے ورنہ اب خاندانی وحدتوں کے بکھرنے اور رہائشی نظام کی شکل کے خاص طریقہ میں ڈھل جانے کے بعد جلسوں اور عوامی تقریروں کو وہ رقبۂ اثر حاصل نہیں ہے جو پہلے کے دور میں ہوا کرتا تھا، جبکہ خاندانوں کے چند افراد تک بات پہونچا دینے سے خاندانوں کے تمام افراد تک اس کا اثر پہونچتا تھا۔ اب وسیع الاثر مقصد کے حصول میں ریڈیو بہت بڑی خدمت انجام دیتا ہے۔

ریڈیو حکومتوں کا آلۂ کار

ریڈیو کی اسی اہمیت کی بنا پر حکومتوں نے اس کو اپنا سب سے بڑا آلہ کار بنایا ہے وہ اس کے ذریعہ ذہنوں کو متاثر کرتی ہیں اور جس طرح کے ذہنی ماحول میں عوام کو رکھنا چاہتی ہیں، بلکہ اپنے طاقت و اثر سے عوام کو اپنے طے کردہ ریڈیو نظام کے اندر محدود کر دیتی ہیں۔ جس کے نتیجہ میں عوام وہ سنتے ہیں جو وہ چاہتی ہیں اور وہی

www.abulhasanalinadwi.org

سمجھتے اور مانتے ہیں جو وہ سمجھانا اور بتانا چاہتی ہیں۔

صحافت اور ریڈیو کا فرق

اس کام اور مقصد میں صحافت اور خاص طور پر روزانہ صحافت بھی بہت بڑا کردار انجام دیتی ہے لیکن وہ تحریری ذریعہ ہے جو تعلیمی بنیاد پر قائم ہے لیکن ریڈیو صوتی ذریعہ ہے جو تعلیمی بنیاد کے بغیر بھی کام کرتا ہے۔

ریڈیو کا کام ایک فن

ریڈیو کے استعمال کی وسعت اور رواج کے ساتھ اس کے اثر کا رقبہ بھی بڑھ جاتا ہے اور حکومتیں پسند بھی یہی کرتی ہیں تاکہ ان کے تلقینی مقاصد کی تکمیل میں آسانی ہو۔ ریڈیو اپنی اہمیت اور رواج کی وجہ سے ایک مستقل نظام اور فن میں تبدیل ہوگیا ہے۔ فنی طریقہ سے اس کے استعمال سے اس کے ذمہ داروں کے مقاصد کو بڑی مدد ملتی ہے۔ اس میں بولنے والے کو اپنی آواز کو اس معیار اور کیفیت میں رکھنا ہوتا ہے جو سننے والوں کی سمجھ میں بھی آئے اور ان کے لئے مانوس ہو۔ اس لئے ریڈیو پر بولنے والوں کو بولنے سے قبل تیاری کرنا ہوتی ہے اور جو باقاعدہ ریڈیو کے کام پر مامور ہوتے ہیں ان کی تو آواز کی تحسین کی تربیت بھی دی جاتی ہے تاکہ سننے والا یہ محسوس نہ کرے کہ وہ جو سن رہا ہے وہ اس کی سمجھ میں ٹھیک سے نہیں آرہا ہے اس لئے ریڈیو کی زبان آسان اور اسلوب نسبتاً دلچسپ رکھا جاتا ہے بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ صحافت اور ریڈیو دونوں کے لئے زبان کی آسانی اور اسلوب کی دلچسپی ضروری ہے۔ فرق ہے تو صرف اتنا ہے کہ صحافت میں پھر بھی لوگ نسبتاً پڑھے لکھے ہوتے ہیں اور ان کو اس

www.abulhasanalinadwi.org

بات کا بھی موقع ہوتا ہے کہ وہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور سمجھ سمجھ کر پڑھیں لیکن ریڈیو میں اس کا موقع نہیں ہوتا۔ وہاں تو سننے والا اگر ذہن کو ذرا ٹھہرا دے تو بات نکل جائے گی اور پھر نہ لوٹے گی، اس لئے ریڈیو پر سہل بیانی اور سلاست کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے۔

ریڈیو میں دلپسندی کا اہتمام

اسی مقصد سے ریڈیو کے پروگراموں میں پسندیدگی کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ سننے والے کو ریڈیو سننا بے مزہ کام نہ محسوس ہو۔ خبریں، ڈرامے، گانے، مکالمے اور آسان اور دل چسپ مضامین اور دلچسپی اور افادیت کے دوسرے پروگرام ملے کیے جاتے ہیں اور ان میں بھی جدت پیدا کرنے کا سلسلہ قائم رکھا جاتا ہے۔

ریکارڈنگ کا فائدہ

ریکارڈنگ کی ایجاد نے اس سلسلے میں مزید سہولت پیدا کردی ہے ورنہ اس کے بغیر بولنے والے کو بروقت مائکروفون پر پہونچنا ضروری ہوتا تھا خواہ وہ کسی مصروفیت میں ہو اور جو بھی ہو، مائکروفون پر نہ پہونچنے کی صورت میں اس کی آواز نہیں سنائی جاسکتی تھی اور آواز اگر مستعار ہو تو اس کا وہ اثر نہیں پڑتا جو اصل آواز کا پڑتا ہے۔ لیکن اس مسئلہ کو ریکارڈنگ نے آسان کردیا، کسی کی بھی آواز کو کہیں بھی ریکارڈ کیا جاسکتا ہے اور پھر ریڈیو پر اس کو اس طرح سنایا جاسکتا ہے جیسے وہ اس جگہ موجود ہے۔

یہ ریکارڈنگ ریڈیو کے تمام پروگراموں میں کام دیتی ہے۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ فائدہ گانوں کے سلسلے میں اٹھایا گیا اور اس کی ریکارڈنگ کا حصہ

www.abulhasanalinadwi.org

بہت زیادہ ہوتا ہے۔

ریڈیو تصویر کے ساتھ

اور جب سے تصویری ذریعہ صوتی ذریعہ کے ساتھ ریڈیو میں شامل ہونے لگا یعنی ٹیلی ویژن کا نظام آگیا اس وقت سے ریڈیو کے معاملہ میں ایک انقلاب سا آگیا اور اس مشترک ذریعہ ابلاغ سے بہت زیادہ اثر کا کام لیا جانے لگا۔

ریڈیو ایک مربی و ذریعۂ تاثیر

موجودہ تمدنی معاشرہ میں ریڈیو نے اجتماعی زندگی کو اس طرح اپنے اثر و رسوخ میں لے لیا ہے کہ وہی اس کا سب سے بڑا مربی و رہنما بن گیا ہے۔ وہ لوگوں کو مشغول بھی رکھتا ہے اور ان کے ذہن و جذبات کی تربیت بھی کرتا ہے۔ اس طور پر جن ہاتھوں میں یہ نظام ہوتا ہے وہ ہاتھ گویا قوم اور معاشرہ کی تشکیل کے سب سے بڑے ذریعہ کے مالک ہوتے ہیں۔ اسی لیے حکومتیں اس ذریعۂ ابلاغ کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں رکھتی ہیں۔

سیاسی خبروں اور تبصروں کی حد تک تو ریڈیو بالکل حکومت کی پالیسی کے مطابق ہوا کرتا ہے اور ادبی و ثقافتی پروگراموں میں، پروگراموں کے ذمہ داروں کو بھی خاصا دخل ہوتا ہے۔ وہ ان میں اپنی پسند اور ذوق کو بھی استعمال کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں۔

ثقافتی پروگرام

ثقافتی پروگراموں میں ایک اہم جز ڈراموں کا ہوتا ہے۔ یہ بھی انسانی ذہن و

www.abulhasanalinadwi.org

جذبات پر بہت اثر ڈالنے والا ذریعہ ہے۔ ڈراموں میں جو ڈرامے بامقصد موضوعات پر ہوتے ہیں ان سے بامقصد ذہن و رجحان کی تشکیل میں بڑی مدد ملتی ہے۔ اور جو ڈرامے محض تفریح طبع و لطف و لذت کے دائرے تک محدود ہوتے ہیں، ان سے مقصد کے معاملہ میں کوئی خاص مدد نہیں ملتی۔ لیکن وہ بھی ذہن بناتے بگاڑتے ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ ذہن کو بگاڑتے زیادہ ہیں تو یہ غلط نہ ہوگا۔

ڈراموں کا اثر

ڈرامہ درحقیقت انسانی شخصیت کی قابل تاثر زندگی کے ایک جز پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کو سننے والا تقریباً اسی طرح اثر لیتا ہے جیسا کسی کو براہ راست دیکھ کر اثر لیتا ہے۔ اور آدمی پر سب سے زیادہ اثر زندگیوں کے دیکھے جانے اور ان کے مختلف پہلوؤں کو دیکھنے اور دیکھتے رہنے سے پڑتا ہے۔ ٹیلی ویژن نے ڈرامے کو صوتی دائرے سے نکال کر صوتی و بصری دونوں کے مشترک دائرے میں داخل کر دیا ہے اور اس طرح اس کو اصل کے تقریباً بالکل مطابق بنا دیا ہے۔

پروپیگنڈہ

ریڈیو کو پروپیگنڈے اور ایک خاص ذہن کے بنانے کے لئے استعمال کرنے کی صورت میں ریڈیو والے زیادہ تر خبروں، تبصروں اور مکالموں سے کام لیتے ہیں لیکن یہ حصہ چونکہ زیادہ مقدار میں نہیں رکھا جا سکتا، کیونکہ یہ ایک حد تک سنجیدہ اور خشک موضوع ہوتا ہے اس لئے اس کی مقدار سامعین کی صلاحیت قبول کی حد تک رکھی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ایک بڑی مقدار لطف و انس کے موضوعات کی ہوتی ہے جو گانوں، ڈراموں اور ثقافتی پروگراموں کی ہوتی ہے۔ اس کے سہارے

www.abulhasanalinadwi.org

سامعین کو ریڈیو کے ذمہ دار اپنی پوری بات اپنے خاص نقطۂ نظر کے مطابق سنا لیتے ہیں اور اس طرح سے اپنا مقصد پورا کر لیتے ہیں۔

بہرحال ریڈیو نے موجودہ متمدن زندگی میں بہت اہمیت حاصل کر لی ہے۔ اور زندگی کی تشکیل و تربیت میں اس کا اثر ایک ناقابل انکار حقیقت بن چکا ہے۔

---

www.abulhasanalinadwi.org

تصویری ذرائع

سینما اور فلم سازی

ریڈیو اور صحافت کے ہی خاندان میں ٹیلی ویژن اور سینما بھی داخل ہے۔ جہاں تک سینما کا تعلق ہے وہ ٹیلی ویژن سے پہلے ایجاد ہوا۔ سینما اولاً خاموش ہوتا تھا، جس میں صرف تصویروں کی نقل و حرکت ہوتی تھی، آواز نہیں ہوتی تھی لیکن جلد ہی اس میں آواز کا جز بھی شامل ہوگیا۔ سینما کی ایجاد کیمرے کی تصویر کی ایجاد کے بعد ہوئی۔ اس میں تصویروں کو اس رفتار سے گزارا جاتا ہے کہ دیکھنے والے کو تصویروں کا گزرنا محسوس نہیں ہوتا بلکہ ان تصویروں کے مابین جو تغیر ہوتا ہے وہ ایک عملی حقیقت کی صورت میں متحرک واقعہ نظر آتا ہے۔ تصویروں کا یہ گزارنا مسلسل بہت سی فلمی تصویروں کے ذریعہ ہوتا ہے جس میں تسلسل کے ساتھ نقل و حرکت کے بدلتے ہوئے فرق کے ساتھ مسلسل تصویروں کا ایک سلسلہ جاری و قائم رہتا ہے۔

سینما کی تصویریں تیار کرنے کے لئے قصے اور واقعات مصنوعی طریقے سے وجود میں لائے جاتے ہیں اور ان کی فلم لے لی جاتی ہے، جس کے نسخے سینما ہال خریدتے اور دکھاتے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

سینما کا اثر

سینما میں دکھائے جانے والے قصے اور واقعات پرکشش اور مؤثر ہوتے ہیں، جیسا کہ ڈرامے اور افسانے پرکشش ہوتے ہیں اور چونکہ سینما میں آنکھوں کا کام زیادہ ہوتا ہے اس لئے مناظر سے جو اثر پذیری پیدا ہوتی ہے اس کی وجہ سے سینما اپنے دیکھنے والوں کے اخلاق و وجدان پر بہت زیادہ اثر ڈالتا ہے۔ بلکہ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ موجودہ عوامی زندگی کے کردار و اخلاق پر سب سے زیادہ اثر سینما کی فلموں کا پڑ رہا ہے اور سینما گھر عام طور پر اقتصادی مقاصد کے لئے قائم کیے جاتے ہیں اس لیے یہاں بھی تجارتی مقصد دیگر مقاصد پر غالب رہتا ہے اور اس بات کی پرواہ باقی نہیں رہ جاتی کہ ان فلموں کا اثر سوسائٹی کی زندگی پر بُرا اثر پڑ رہا ہے یا اچھا اور پرکشش اور جاذب بنانے کے لئے جو طریقے اختیار کئے جاتے ہیں ان کی صورت میں تو اچھے اور تعمیری اثرات پڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تخریبی رجحانات و اثرات

آج کل سینما میں انسان کے حیوانی رجحانات سے فائدہ اٹھانے کی پوری کوشش کی جاتی ہے اور ایسے واقعات اور مناظر پر مشتمل فلمیں تیار کی جاتی ہیں، جو اس راہ سے اپنا اثر ڈالیں۔ چنانچہ سینما کے مالکان اس طرح مادی فائدے اٹھاتے ہیں نتیجۃً آج کل فلموں میں عشق و محبت کے سطحی اور بے حیائی کے مناظر نیز مار دھاڑ قتل و انتقام کے واقعات کی منظر کشی عام ہو چکی ہے جن کو دیکھ کر عوام اور نوجوان اسی طرح کے رجحانات کو جذب کرتے جاتے ہیں اور سوسائٹی باوجود برائیوں کو بُرا سمجھنے کے برائیوں کو اپنی زندگی کا وطیرہ بناتی چلی جاتی ہے اور اب تو سینما کی صنعت مقبولیت حاصل کر لینے کی بنا پر قومی صنعت میں تبدیل ہو چکی ہے جس کو حکومتیں

www.abulhasanalinadwi.org

اپنی سرپرستی میں رکھتی ہیں لیکن یہ حکومتیں بھی مادی اسباب کی بنا پر سینما کی صنعت پر لگام لگانے سے قاصر رہتی ہیں۔

فلموں سے ممکن فوائد

فلموں اور تصویری ذرائع کو اگر کنٹرول کیا جائے تو اس سے فائدہ اٹھانے اور تعمیری مقاصد میں اس کو استعمال کرنے کے بھی بہت سے مواقع ہیں، اس کو ضروری علوم کی تعلیم میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ہم شہر میں بیٹھ کر خطرناک جنگوں کے حالات سے واقف ہو سکتے ہیں اور دشمنوں سے دور رہ کر دشمنوں سے واقفیت حاصل کر سکتے ہیں جغرافیائی معلومات سائنسی معلومات نیز دیگر بہت سی معلومات جن کو ہم بہت سی دشواریوں کے باعث خود بہ نفس نفیس نہیں دیکھ سکتے۔ فلموں کے ذریعہ ان کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ لیکن ان مذکورہ بالا مقاصد میں فلموں کے استعمال سے فلموں کو بنانے اور چلانے والوں کو تجارتی منافع نہیں ملتا، کیونکہ یہ موضوعات اتنے پرکشش نہیں ہیں کہ لوگ زیادہ سے زیادہ تعداد میں دیکھیں۔ لیکن حکومتیں اپنے دیگر بہت سے کاموں میں اس کام کو شامل کر سکتی ہیں، اور فلموں کے ایسے استعمال کو جو اخلاق و کردار کے لئے مضر ہو، روک سکتی ہیں، یا کم از کم ان کو بہت کمزور اور کم کر سکتی ہیں۔

ٹیلی ویژن اور اس کا اثر

ریڈیو جو آواز کو تار کے ذریعہ کے بغیر مختلف جگہوں تک پھیلاتا ہے ترقی کر کے اب تصویروں کو بھی مختلف جگہوں تک پھیلانے کے قابل ہو گیا ہے، اس کی وجہ سے اب ریڈیو کی یہ نئی قسم بھی وجود میں آکر رائج ہو گئی ہے اور یہ ٹیلی ویژن کہلاتی ہے

www.abulhasanalinadwi.org

اس کی وجہ سے وہ سینما جو مخصوص عمارتوں کے اندر ہی محدود ہوا کرتا تھا اور وہاں بالقصد جاکر اور ٹکٹ خرید کر دیکھا جا سکتا تھا، اب ٹیلی ویژن سیٹ خرید کر گھر بیٹھے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس طرح پر سینما سے جو اثرات صرف ان لوگوں پر پڑا کرتے تھے جو وہاں جاکر بالقصد دیکھا کرتے تھے، اب گھر گھر بلکہ بلا ارادہ پڑنے لگے ہیں اور اس طور پر اجتماعی زندگی ان رجحانات اور احساسات سے بڑے دائرے میں متاثر ہونے لگی ہے جو سینما اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ پیش کیے جاتے ہیں۔ ٹیلی ویژن اگرچہ مطلقاً حکومتوں کے ماتحت ہوتے ہیں لیکن حکومتیں جو سینما کی فلموں کی تخریب کاری پر پابندی نہیں لگاتیں، ٹیلی ویژن کی تخریب کاری بھی قائم رہنے دیتی ہیں اور اس کے اوپر بھی کوئی خاص پابندی نہیں لگاتیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ حکومتوں میں موجود یا آنے والے افراد عام طور پر اسی طرح کے نظام تعلیم و تربیت سے ریڈیو بنے ہیں جس میں انسان کی سیرت سازی کو اہم نہیں سمجھا جاتا۔ صرف اس کی سفلی لذتوں کو مختلف مقاصد کے حصول کے لیے ذریعہ بنایا جاتا ہے۔

ریکارڈنگ

ذرائع صوت میں ترقی ہونے کے بعد صوت بندی یعنی ریکارڈنگ کا ذریعہ پیدا ہوا جس کے نتیجہ میں پلیٹ ریکارڈ جن کو ڈیسک ریکارڈ کہتے ہیں اور پھر فیتے کے ریکارڈ جن کو ٹیپ اور کیسٹ کہتے ہیں ایجاد ہوئے اور عام ہوئے۔ ریڈیو میں استعمال ہونے لگے اور لوگوں نے گھروں میں خرید خرید کر استعمال کے لئے رکھنا شروع کر دیے جس سے آواز کے پروگراموں کو ٹیپ میں مقید کر لیتے ہیں اور حسب مرضی جب چاہتے ہیں سنتے ہیں۔

ویڈیو

لیکن یہ ترقی یہیں تک محدود نہیں رہی بلکہ مناظر کو مقید کر کے ان کے ٹیپ

www.abulhasanalinadwi.org

بنانے کا طریقہ بھی ایجاد ہوگیا اور اس کے ریکارڈ بھی بننے لگے جو ٹیلی ویژن سیٹوں میں حسبِ مرضی لگا کر دیکھے اور سنے جانے لگے۔ اس ایجاد کو ویڈیو کا نام دیا جاتا ہے۔ اس ایجاد نے سینما اور ٹیلی ویژن کی اس مضرت اور تخریب کو جس کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے، زیادہ عام اور وسیع کر دیا ہے کہ آدمی ان مناظر کو جو سینما میں یا ٹیلی ویژن میں دکھائے جاتے ہیں اور دکھاتے ہی ختم ہو جاتے ہیں، اب محفوظ کرنے لگا ہے کہ جب جی چاہے بار بار دیکھتا اور اپنے ذہن و نفس کو اس کے اثرات سے متاثر کرتا رہتا ہے۔

---

www.abulhasanalinadwi.org

بعض دیگر وسائل تربیت و افادہ

علم و تمدّن کی اشاعت میں کتب خانوں کا حصّہ

تربیت و تعلیم کے اجتماعی میدان میں کتب خانوں کی بھی بڑی اہمیت ہے بلکہ شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ذہنوں کی تربیت اور رجحانات کی تشکیل میں کتب خانوں کا بہت بڑا حصّہ ہے۔

آج دنیا کی متمدن قوموں کا اصل انحصار کتب خانوں پر ہے انہی سے ان کے تمدن و ترقی کا فروغ ہے ورنہ ہر شخص کے محض اپنے ذاتی تجربہ اور مشاہدہ سے علوم و فنون اور تمدن کی ترقی کو کوئی بڑی مدد نہیں ملتی بلکہ ماضی کی کوششوں کا سرمایہ اصل بنیاد بنتا ہے اور اسی بنیاد پر نئی ترقیات اور وسعتوں کی عمارت کھڑی کی جاتی ہے۔ ماضی کی کوششوں کا سرمایہ ہم کو کتابوں کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ جو کہ کتب خانوں میں اپنے اقسام اور مراتب کے لحاظ سے جمع کی جاتی ہیں۔

ان کتابوں کو پڑھنے والے علم و فن کے اہم اور ضروری، وسیع اور عمیق سرمایہ سے واقف ہوتے ہیں اور اپنے دل و دماغ کے لئے طاقت ور رجحان کا سامان بہم پہونچاتے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

ذہنوں کی تشکیل میں کتب خانوں کا حصّہ

جن ماحولوں میں کتب خانے ہوتے ہیں اور ان کتب خانوں سے استفادہ کرنے والے ہوتے ہیں وہاں ذہنوں کی تشکیل میں ان کتب خانوں کا بڑا حصّہ ہوتا ہے، شائقین کتابیں دیکھتے ہیں اور ان سے صرف علمی فائدہ ہی نہیں اٹھاتے بلکہ ان کے مضامین بلکہ ان کے مؤلفین کے خیالات و رجحانات سے بھی غیر شعوری طور پر متاثر ہوتے ہیں اور ان سمتوں کی طرف ان کے خیالات کا رُخ مڑ جاتا ہے جو ان کتابوں میں ان کو ملتی ہیں اور کبھی کبھی کتب خانوں کو قائم کرنے والے بھی اس بات کو مقصد بناتے ہیں کہ ان کے جمع کردہ سرمایہ علمی سے لوگ اپنی تربیت ذہنی میں مدد لیں گے اور متعین نتائج تک پہونچیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ کتب خانوں کے قائم کرنے والے بعض وقت کتابوں کے انتخاب میں پوری طرح غیر جانبدار نہیں رہ پاتے بلکہ کم و بیش جانبداری کا انداز ان میں بھی پایا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ لوگ جو محض ترویج علم کو ہی اپنا مقصد بناتے ہیں ان کے یہاں بھی انتخاب کتب کا جو عمل ہوتا ہے وہ عمل ان کے ذہنی رجحان کا کسی نہ کسی حد تک پابند ہوتا ہے مثلاً جو محض خدمتِ علم کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے یہاں اپنے علم خالص پر انحصار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور خلافِ مذہب علم کو شامل کرنا تو برداشت کر لیا جاتا ہے لیکن مذہب کو مدد پہونچانے والے علم کے ساتھ مغائرانہ رویہ اپنایا جاتا ہے۔ اس طرح جو لوگ مذہب کے زیادہ قائل ہوتے ہیں ان کے یہاں مذہب سے ہم آہنگی نہ رکھنے والے علم کے ساتھ مغائرت کا رویہ اختیار کیا جاتا ہے ان دونوں رجحانات کے نتیجہ میں کتب خانہ سے استفادہ کرنے والے انہی رجحانات سے متاثر ہوتے ہیں جن رجحانات کو ان کتب خانوں سے مدد ملتی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

کتب خانوں کے معاملہ میں ناجانبداری کا رویّہ

کسی حد تک جانبداری کے مذکورہ بالا رویّہ کے علاوہ کتب خانوں کے سلسلے میں ایسا رویّہ زیادہ ملتا ہے جس میں بڑی حد تک ناجانبداری ہوتی ہے، اور اب موجودہ عہد میں کتب خانوں نے ترقی و وسعت حاصل کر کے یہ مزاج بڑی حد تک قبول کر لیا ہے۔

ذاتی کتب خانے

کتب خانے عام سطح کے ہونے کے ساتھ ساتھ ہر زمانہ میں خصوصی اور شخصی کتب خانے قائم کرنے کا بھی رواج رہا ہے۔ وہ لوگ جو ہمہ وقت کتب خانہ سے استفادہ کے محتاج ہوتے ہیں وہ اپنی پسند کی کتابوں کو جمع کرتے ہیں اور ان سے اپنا ذاتی کتب خانہ تشکیل دے لیتے ہیں اور حسب ضرورت اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اگر اس سے باہر کی چیزوں کی ضرورت پڑی تو ان کو عمومی سطح کے کتب خانوں کی طرف رُجوع کرنا پڑتا ہے۔

عمومی کتب خانوں کی اہمیت

انفرادی کوششوں سے بعض وقت بڑے بڑے کتب خانے قائم ہوتے ہیں اور ہو سکتے ہیں لیکن پھر بھی عمومی سطح کے کتب خانوں کی وسعت تک وہ نہیں پہونچ سکتے۔ عمومی سطح کے کتب خانوں کے قیام میں بہت سے لوگوں کی مدد اور کوشش شامل ہوتی ہے اور علی العموم حکومتیں سرپرستی کرتی ہیں اور مدد دیتی ہیں۔

حکومتی سرپرستی کی صورت میں بعض وقت کتب خانوں کی وسعت بہت بڑھ

www.abulhasanalinadwi.org

جاتی ہے اور وہ لاکھوں کتابوں پر مشتمل ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں مختلف ذوق اور مختلف موضوعات کے لوگ یکساں ان کتب خانوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں، اور ملک وقوم کی بڑی ضرورت پوری ہوتی ہے۔

کتب خانہ سے فائدہ اٹھاتے رہنے والی برادری پر اس کتب خانہ میں موجود کتابوں کے عمومی مزاج کا اثر پڑتا ہے اور علمی فائدے کے ساتھ ساتھ ذوقی واخلاقی رجحان کو رُخ بھی ملتا ہے۔

کتب خانہ چلانا ایک مستقل فن

کتب خانے قائم کرنے اور چلانے کا کام اب پورا ایک فن بن چکا ہے اور ایک باضابطہ علم کے طور پر پڑھایا اور سکھایا جاتا ہے جس کے سیکھنے کے بعد کتب خانہ کو چلانے اور اس کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کا کام بہت آسان ہو جاتا ہے۔ کتابوں کی ترتیب ان کی فہرست سازی پھر مفید وجدید کتابوں سے شناسائی پیدا کرنے کے طریقے یہ سب مستقل علم ہو گئے ہیں، ان طریقوں کے اپنانے پر کتب خانہ کی افادیت بہت بڑھ جاتی ہے اور فائدہ اٹھانے والے کو اپنی پسند یا موضوع کی کتاب دستیاب ہونے میں بہت آسانی ہو جاتی ہے۔

فہرست سازی

کتب خانہ کے فن کو لائبریری سائنس سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس میں فہرست سازی (کیٹلاگ) کے لئے رائج الوقت طریقہ میں عموماً کتاب کے اور مصنف کے نام کے پہلے حرف کی ترتیب کے مطابق فہرست بنائی جاتی ہے اور اس میں بعض لوگ فن کے نام کے لحاظ سے بھی فہرست شامل کر دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں مطالعہ

www.abulhasanalinadwi.org

کے خواہش مند کو کتاب کے بارے میں مذکورہ بالا طریقوں میں سے کسی بھی طریقہ سے کچھ یاد یا دھیان ہے تو اس کو مطلوبہ کتاب تک پہونچنے میں دشواری نہیں ہوتی۔ فہرست کے لئے کارڈوں کا نظام ہوتا ہے۔ ہر کتاب کا علیحدہ کارڈ ہوتا ہے جس کی ترتیب مذکورہ بالا طریقوں سے کی جاتی ہے۔

کتب خانوں کا علمی عملہ

کتب خانہ میں ایسا عملہ رکھا جاتا ہے جو عام خدمت کے علاوہ مطلوبہ کتاب تک پہونچنے میں بھی مدد دے بلکہ بعض وقت فنون کے مطابق کتاب کا تعین کرنے کے لئے باقاعدہ مددگار بھی ہوتے ہیں جن کے باعث کام آسان ہوجاتا ہے۔

کتب خانہ بھی ایک مدرسہ ہے

کتب خانہ ایک ایسا مرکز ہے جس کو بعض حیثیتوں سے مدرسہ سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ مدرسہ میں اگر تربیت و تعلیم کا اصل کام اساتذہ انجام دیتے ہیں تو یہاں کتب خانہ میں یہ کام کتابیں انجام دیتی ہیں جو بالواسطہ اپنے لکھنے والوں کی نمائندہ ہوتی ہیں اور اس طرح ہر مصنف کتاب، کتاب کے واسطے سے ایک استاد کا فرض انجام دیتا ہے۔

کتب خانہ کو اگر با مقصد اور فنی طریقے سے چلایا جائے تو بلاشبہ اس سے سماجی تربیت کا بڑا کام انجام دیا جاسکتا ہے۔

---

www.abulhasanalinadwi.org

اجتماعی رہائش گاہیں

اجتماعی رہائش گاہوں کے اثرات

سماجی تربیت و تعلیم کے لئے اجتماعی رہائش اور اجتماعی رہائش گاہوں کے نظام بھی بہت اثرات کا باعث بنتے ہیں، بشرطیکہ ان سے فائدہ اُٹھایا جائے کیونکہ ایسے نظام میں متعدد باتیں مشترک ہوتی ہیں اور ایک طرح کی کوشش پوری اجتماعی وحدت کو بیک وقت متاثر کر سکتی ہیں بلکہ غیر ارادی طور پر پیش آنے والی باتیں بھی اثر ڈالتی ہیں اور تربیت سے حاصل ہونے والے اثرات کے مماثل اثرات ڈالتی ہیں۔

موجودہ زمانہ کی رہائشی وحدتیں

اب موجودہ زمانہ میں جبکہ خاندانی وحدتوں کا نظام تقریباً بکھر چکا ہے اور تمدنی تقاضوں کے ماتحت ہی وحدتیں بنتی ہیں جو شکلاً تو یکساں مزاج کی وحدتیں ہوتی ہیں لیکن حقیقتاً وہ یکساں مزاج کی وحدتیں نہیں ہوتیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک ہی عمارت میں رہنے والے بلکہ بعض وقت ایک دیوار کے ادھر ادھر بسنے والے ایک دوسرے سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں۔ آج کل جو وحدتیں بنتی ہیں وہ کام کی بنیاد پر مزاج و ذوق کی بنیاد پر بنتی ہیں۔ سیاسی رجحانات کی وحدت، دینی رجحان کی وحدت،

www.abulhasanalinadwi.org

ادبی خیالات کی وحدت، نوکری اور کام کی وحدت۔ یہ وہ وحدتیں ہیں جو موجودہ زمانہ میں ہوتی ہیں۔

ہوسٹل و اقامت گاہیں

ان وحدتوں کے علاوہ ایک اور وحدت ہے جو بظاہر وحدت شمار نہیں کی جاتی اور وہ ہے ایک ساتھ رہنے والوں کی وحدت۔ یہ وحدت وہ وحدت ہے جو بلا ارادہ قائم ہوتی ہے مثلاً قیام گاہ کی ضرورت سے اتفاقاً متعدد افراد یا خاندان ایک جگہ اکٹھا ہو جاتے ہیں یا کارخانے حکومتیں یا مدرسے اپنے متعلقین کی رہائشی ضرورت کو رفع کرنے کے لیے ہوسٹل تعمیر کر دیتے ہیں۔ اس طرح نئے معاشرے وجود میں آتے ہیں۔ ان معاشروں کی وحدت قیام سے فائدہ اٹھا کر ان میں کوئی بھی کوشش سب پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔

مشترک قیام گاہوں اور ہوسٹلوں کے ذریعہ تربیت

مشترک قیام گاہوں یا ہوسٹل قائم کرنے والے عموماً اس کا لحاظ بھی کرتے ہیں کہ ان کے رہنے والوں کے ذہنوں کو ایک طرح کا رجحان دیا جائے اور ان کے ذہنوں کی تربیت حکمت اور نرمی کے ساتھ انجام دی جائے جس کے متوقع نتائج ان کو حاصل بھی ہوتے ہیں۔ ہوسٹل قائم کرنے والوں کے لئے یہ کام آسان بھی ہے کیونکہ اس کے رہنے والے مختلف اور ناگزیر اسباب کی بنیاد پر بھی ہوسٹل کے ذمہ داروں کے پابند اور ان کے بنائے ہوئے نظام پر چلنے پر مجبور بھی ہوتے ہیں۔

لیکن ایسے ہوسٹل جو کسی کام کے ماتحت متعلقین کے لیے قائم نہیں کیے جاتے بلکہ محض کاروباری مقصد سے رہائشی سہولت فراہم کرنے کے لئے قائم کئے جاتے

www.abulhasanalinadwi.org

ہیں وہاں وہ پابندیاں تو عائد نہیں کی جاسکتی ہیں جو کسی نظام کے پابندی کے ساتھ کئے جانے والے ہوسٹلوں میں عائد کی جاسکتی ہیں لیکن پھر بھی مالک مکان وہوسٹل اپنی مالکانہ حیثیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ نہ کچھ ایسا نظام قائم کرسکتا ہے جس سے ذہنوں کی تربیت وتشکیل کا فائدہ ہو۔

ایک اچھی تجویز

چنانچہ ایک بڑے مسلم عالم ورہنمائے دین[1] نے یہ رائے قائم کی اور اس کی دعوت دی کہ مسلمانوں کی تربیت واصلاح کے لئے ایک بیحد سود مند طریقہ یہ ہے کہ بڑے شہروں اور مختلف مقامات پر ہوسٹل تعمیر کئے جائیں جن میں ٹھہرنے والوں کو کسی مناسب ومفید پروگرام سے مربوط کیا جائے۔ یہ پروگرام ایسا ہو کہ قیام پذیر لوگوں کے لیے قابل قبول ہو اور ان کی مصروفیات اور افتاد طبع سے متصادم نہ ہو، وہ آسانی کے ساتھ اس پروگرام سے مربوط ہوسکیں، چوں کہ قابل رہائش جگہ کا مل جانا اس زمانہ میں ایک بڑی سہولت ہے اس لئے اس سہولت کی بقار کے لئے قیام پذیر آدمی کسی بھی قابل برداشت پروگرام کے ساتھ مربوط ہونے میں کوئی الجھن محسوس نہ کرے گا۔ اور اس طرح پر سماجی تربیت کا ایک اچھا طریقہ قابل عمل بن جائے گا۔

اقامت گاہ بھی ایک طرح کا مدرسہ ہے

دراصل اقامت گاہوں کے ذریعہ بہت موثر کام کیا جاسکتا ہے اور ان میں مقیم لوگوں کی تربیت کا بڑا فریضہ انجام دیا جاسکتا ہے۔ اس طور پر اقامت گاہ بھی ایک مدرسہ کی طرح بلکہ مدرسہ کے اثرات سے زیادہ اثرات کی مالک بن جاتی ہے۔ مدرسہ میں تو طالب علم صرف پانچ گھنٹے روزانہ وقت گذارتا ہے لیکن

---

[1] مولانا عبدالباری ندوی رحمۃ اللہ علیہ سابق پروفیسر فلسفہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد

www.abulhasanalinadwi.org

اقامت گاہ میں وہ مذکورہ پانچ چھ گھنٹوں کے علاوہ ۱۸۔۱۹ گھنٹے روزانہ گذارتا ہے جو مدرسہ کے مقابلہ میں چار گنا زیادہ ہے۔ اس طور پر اقامت گاہ میں تربیتی نظام اگر مدرسہ کے تربیتی نظام کے اثرات سے ایک چوتھائی اثرات بھی رکھتا ہو تو بھی نتیجۃً دونوں کے اثرات برابر ہو جاتے ہیں۔

توجّہ و حکمت کی ضرورت

لیکن اقامت گاہوں سے فائدہ اٹھانے کا کام اسی وقت انجام پا سکتا ہے جب اس کے لئے توجہ اور فکر کی جائے اور حکمت و نرمی اور خوش اسلوبی کے ساتھ کام انجام دیا جائے اور اگر توجہ نہ ہو تو پھر عام اقامت گاہوں سے تو کیا فائدہ ہوگا۔ مدرسوں اور ان کے جیسے نظاموں کے ماتحت اقامت گاہوں سے بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ ہمارے مشرقی ممالک کے ہوسٹل اور اقامت گاہیں اسی بے توجہی اور مواقع کی اضاعت کا شکار ہیں۔ لیکن یورپ کے نظام میں ان کے خیالات اور مقاصد کے مطابق پورا فائدہ اُٹھایا جا رہا ہے جس کی مثال ہمارے ہندوستان میں یہ کانونٹ اسکولوں کا اقامتی نظام ہے۔ جہاں رہنے والے طلبار پوری طرح اسکول کی طرف سے مقرر کردہ نظام و پروگرام کے پابند ہوتے ہیں، اور پھر بالکل انہی سانچوں میں ڈھلتے ہیں جن میں ان کو ڈھالا جاتا ہے۔

بہرحال اقامتی نظام سے بہت عظیم تربیتی فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔

سفر کا اجتماعی نظام اور مولانا محمّد الیاسؒ کی تحریک

اقامتی نظام کا فائدہ دینے والی ایک شکل اس سے ملتا جلتا سفری نظام ہے۔ یہ نظام مسلمانوں کی تبلیغی جماعت نے شروع کیا تھا جو اب بھی تبلیغی جماعت

www.abulhasanalinadwi.org

کے کام میں ایک ضروری عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نظام میں جلسہ میں شرکاء کو موثر پیغام سے متاثر کرکے ان کی حاصل شدہ تعداد کو سفر پر آمادہ کیا جاتا ہے اور سفر کی حالت میں ان کی اجتماعی وحدت قائم کردی جاتی ہے۔ ان کی تعلیم و تربیت ہوتی ہے اور ان کے لئے خاص اور مشترک ماحول قائم کیا جاتا ہے۔ اس طرح ان کے ذہنوں اور رجحانات کو ایک متعین اور خاص سمت ملتی ہے۔ جس کی طرف وہ ذہن اور رجحانات مائل ہوجاتے ہیں اس طرح پر سینکڑوں اور ہزاروں انسانوں کی اصلاح ہورہی ہے اور ان کے ذہن اور رجحانات میں تبدیلی آرہی ہے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین کی رائے

تبلیغی جماعت کے کام کے طریقہ کو دیکھ کر مرحوم صدر جمہوریہ ہندوستان ڈاکٹر ذاکر حسین خاں نے جو ہندوستان کے مشہور ماہرین تعلیم میں شمار کئے جاتے ہیں، یہ کہا کہ تعلیم و تربیت کا یہ طریقہ بہت اچھوتا اور مفید ترین طریقہ ہے، جس کی طرف اچھے اچھے ماہرین تعلیم کی نظر نہیں گئی۔ انھوں نے سماجی تعلیم و تربیت کے اس طریقہ کو بہت داد دی اور وہ اس طریقہ کے مطابق سفر پر کئی بار نکلے اور اس کا قریب سے مشاہدہ کیا اور آج نہ صرف ہندوستان میں بلکہ دنیا کے مختلف حصوں میں یہ طریقہ کار بڑی حد تک اہم ترین نتائج پیدا کررہا ہے۔

بہرحال رہائش و اقامت کا اجتماعی نظام جس شکل میں بھی ہو، سماجی تربیت و تعلیم کا ایک اہم ترین ذریعہ بن سکتا ہے، اور جو لوگ اس نظام کی افادیت کو جانتے ہیں وہ اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

قید خانے

قید خانے بھی اصلاح و تفہیم نیز سماجی تربیت کے کام کا ایک میدان بن سکتے ہیں بلکہ وہاں اصلاح و تربیت کی کوشش ایک اہم ضرورت ہے جس کے ذریعہ اس میں موجود اشخاص کے غلط رجحانات کو بدلا جا سکتا ہے یا کم از کم ان کی شدت کو کم کیا جا سکتا ہے۔

اس کے لئے قید خانوں میں جا کر مناسب انداز میں اچھی بات پیش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اچھی بات پیش کرنے سے قبل اپنی خیر خواہی اور ہمدردی کا احساس پیدا کرنا بھی ضروری ہوتا ہے کیونکہ آدمی جس کو اپنا محب یا خیر خواہ سمجھتا ہے اس کی بات توجہ سے سنتا ہے اور اس کو ماننے کے لئے اپنے میں آمادگی پاتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا عمل جس کا قرآن مجید میں تذکرہ ہے اس سلسلے میں بڑا اچھا اسوہ ہے۔

جمہوری ملکوں میں قید خانوں میں لٹریچر پہونچانے نیز ہمدردی و اصلاح کی غرض سے ملاقاتیں کرنے کا کسی حد تک انتظام ہوتا ہے اور حکومت اس میں تعاون بھی کرتی ہے اور وہاں کی جانے والی کوششوں کے اچھے نتائج کی متعدد مثالیں سامنے آئی ہیں۔

غرضیکہ کسی بھی اجتماعی ماحول میں اس ماحول کی نفسیات، ضرورتوں اور دشواریوں نیز اس کے لوگوں کی فہم و صلاحیت استفادہ کا لحاظ کرتے ہوئے مناسب ڈھنگ اور اسلوب سے اپنی بات کا پہونچانا تبدیلی لا سکتا ہے اور طبیعتوں کو کسی خاص رُخ کی طرف مائل بھی کر سکتا ہے اور اس طریقہ سے صحیح رجحانات پیدا کرنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org